تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا

مذہبی، علمی اور تحقیقی رسالہ

ماہنامہ

الفرقان

ربوہ (پاکستان)

اپریل سنہ ۱۹۵۸ء

سالانہ قیمت پیشگی

پاکستان:۔ پانچ روپے

بیرونی ممالک: سات روپے یا بارہ شلنگ

ادارۂ تحریر

ایڈیٹر:۔ ابوالعطاء جالندھری

نائب ایڈیٹر { خورشید احمد شاد مولوی فاضل
مسعود احمد دہلوی بی۔ اے

دیارِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مکتوب

محترم جناب چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کا گرامی نامہ ایڈیٹر الفرقان کے نام

جدہ - ۲۶ مارچ ۱۹۵۸ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرم مولانا - السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ' -

میں ۱۷ کو یہاں پہنچا تھا - ۱۸ کو اللہ تعالیٰ کے فضل و رحم سے مناسک عمرہ کے ادا کرنے کی توفیق پائی - ۱۹ کو دوسری بار طواف کرنے کے بعد واپس جدہ آیا (مکہ مکرمہ سے منیٰ - مزدلفہ اور عرفات بھی گیا) - ۲۱ کو ریاض گیا - ۲۲ کو واپس آیا - اسی شام پھر طواف کے لئے گیا اور حرم شریف میں نوافل بھی ادا کئے - ۲۳ کو مدینہ شریف گیا اور کل واپس آیا - آج پھر عمرہ ادا کیا - ابھی مکہ مکرمہ سے لوٹا ہوں - پہلے عمرہ کے دوران میں خانہ کعبہ کے اندر بھی نوافل ادا کرنے اور دعائیں کرنے کا موقعہ میسر آیا - فالحمد للہ علیٰ ذالک -

اس تمام دوران میں بفضل اللہ اسلام - سلسلہ حقہ احمدیہ - حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام - حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز - مکرم صاحبزادہ میرزا بشیر احمد صاحب - خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام وجملہ بزرگان و احباب و عزیزان و متعلقین کے لئے دعاؤں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کا بافراغت موقعہ ملا اور توفیق عطا ہوئی - فالحمد للہ -

جدہ میں میں مکرمی جناب خواجہ شہاب الدین صاحب سفیر پاکستان کے ہاں ٹھہرا - جہاں ہر طرح سے آسائش نصیب ہوئی - فجزاہ اللہ احسن الجزاء - باقی سب مقامات پر اور حجاز اور ریاض کے سفروں میں میں جلالۃ الملک ملک سعود کا مہمان تھا - ان کی طرف سے تمام انتظام نہایت آرام دہ تھا - فجزاہ اللہ احسن الجزاء -

آج براستہ بیروت دمشق واپس جا رہا ہوں - وہاں سے ۳۰ کو روما جائیں گے - (بشریٰ اس دوران میں دمشق اپنی والدہ کے پاس ٹھہری تھیں) اور ۸ اپریل کو انشاء اللہ ہیگ پہنچیں گے - وباللہ التوفیق -

والسلام

خاکسار

ظفر اللہ خان -"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جلد ۸ نمبر ۴ | الفرقان ــــــ ربوہ (پاکستان) | رمضان المبارک ۱۳۷۷ھ اپریل ۱۹۵۸ء

ہر ماہ کی پانچ تاریخ کو شائع ہوتا ہے

ادارہ تحریر

ایڈیٹر :- ابو العطاء جالندھری

نائب ایڈیٹرز :- مسعود احمد دہلوی بی اے خورشید احمد شاد مولوی فاضل

فہرست مضامین

۱	دیار حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مکتوب	جناب چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحب کا گرامی نامہ	ٹائیٹل
۲	حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری (سرگودھا اہلحدیث کانفرنس کی غلط بیانی کی تردید)	ایڈیٹر	ص ۲
۳	معراج نبوی کی حقیقت (احمدیت کے نقطۂ نگاہ کی کامیابی کا اقرار)	"	ص ۵
۴	حضرت امام شافعیؒ کا سفرنامہ	ماخوذ	ص ۹
۵	روحانی احیاء کا صحیح طریق ("طلوع اسلام" کے سوالات کے جواب)	مولوی عبد الکریم صاحب لپشاور	ص ۱۷
۶	کفارہ کی حقیقت	شعبہ نشر و اشاعت نظارت اصلاح و ارشاد	ص ۲۲
۷	حضرت مسیح موعودؑ اپنے اخلاق میں کامل تھے	حضرت میر محمد اسماعیل صاحب رضی اللہ عنہ	ص ۲۵
۸	حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صورت و سیرت کی ایک جھلک	مولوی شریف احمد صاحب امینی فاضل مدراس	ص ۲۷
۹	جماعت احمدیہ میں سلسلہ خلافت	مولوی فضل الدین صاحب بشیر آباد اسٹیٹ	ص ۳۰
۱۰	قادیان سے ہجرت اور ہماری ذمہ داریاں	ڈاکٹر محمد رمضان صاحب ہیڈ دار الصدر ربوہ	ص ۳۳
۱۱	البیان (قرآن مجید کا سلیس اردو ترجمہ مختصر اور مفید حواشی کے ساتھ)	ابو العطاء	ص ۳۶

طابع و ناشر ابو العطاء جالندھری نے ضیاء الاسلام پریس ربوہ میں چھپوا کر دفتر الفرقان ربوہ ضلع جھنگ سے شائع کیا

جلد نمبر ۷ | الفرقان | اپریل ۱۹۵۸ء

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری

اہلحدیث کانفرنس سرگودھا میں کی گئی غلط بیانی کا ازالہ

وسط مارچ ۱۹۵۸ء میں سرگودھا میں مغربی پاکستان کی جمعیت اہلحدیث کا ایک عمومی اجتماع ہوا جس میں مختلف تقاریر کی گئیں۔ قراردادوں سے ظاہر ہے کہ اس اجتماع کا مقصد دین سے بڑھ کر سیاسی تھا اور اس کا نصب العین آئندہ آنے والا ملکی انتخاب تھا۔ اس حد تک ہمیں ان کے اجتماع سے کوئی تعلق نہیں۔ لیکن کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی مذہبی جماعت کسی مقصد کے لئے اجتماع منعقد کرے اور اس میں جماعت احمدیہ کا ذکر نہ آئے؟ ہرگز نہیں۔

اس کانفرنس میں خطبہ استقبالیہ مولوی رضاء اللہ صاحب ثنائی نے پڑھا جو مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کے پوتے ہیں۔ آپ نے اپنے خطبہ میں اپنے دادا صاحب کی فضیلت کے ذکر میں ایک خطرناک غلط بیانی بایں الفاظ کی ہے:۔

"تمام عمر مرزا غلام احمد قادیانی کے جھوٹے دعوئ نبوت کی دھجیاں اڑائیں اور آخرکار خود مرزا صاحب اپنے ہاتھوں مولوی ثناء اللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ تحریر کر کے اپنی کذب بیانی کا نشانہ ہو گئے۔" (اخبار الاعتصام ۲۸ مارچ ۱۹۵۸ء)

بلاشبہ مولوی ثناء اللہ صاحب نے اپنی ساری عمر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مخالفت میں ضائع کی اور قرآنی آیت وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا کے مطابق غالباً وہ یہی خیال کرتے تھے کہ وہ بڑا نیک کام کر رہے ہیں مگر سوال تو یہ ہے کہ مولوی ثناء اللہ صاحب اور دوسرے ان کے ساتھی اکابر علماء کی ان ساری معاندانہ کوششوں کا نتیجہ کیا نکلا ہے؟ مولوی صاحب احمدیت کو مٹانے میں کہاں تک کامیاب ہوئے ہیں؟ ممکن ہے کہ ہمارے بیان کو اہلحدیث بھائی توجہ سے نہ پڑھیں اسلئے ہم اس بارے میں احمدیہ تحریک کے ایک شدید مخالف کی تازہ شہادت درج ذیل کرتے ہیں۔

اسلامی جماعت کے ہفت روزہ المنبر لائلپور کے ایڈیٹر مولوی عبدالرحیم صاحب اشرف لکھتے ہیں:۔

"ہمارے بعض واجب الاحترام بزرگوں نے اپنی تمامتر صلاحیتوں سے قادیانیت کا مقابلہ کیا لیکن یہ حقیقت سب کے سامنے ہے کہ قادیانی جماعت پہلے سے زیادہ مستحکم اور وسیع ہوتی گئی۔

مرزا صاحب کے بالمقابل جن لوگوں نے کام کیا ان میں سے اکثر تقویٰ، تعلق باللہ، دیانت، خلوص، علم اور اثر کے اعتبار سے پہاڑوں جیسی شخصیتیں رکھتے تھے سید نذیر حسین صاحب دہلوی - مولانا انور شاہ صاحب دیوبندی، مولانا قاضی سید سلیمان منصور پوری، مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی، مولانا عبدالجبار غزنوی، **مولانا ثناء اللہ** امرتسری اور دوسرے اکابر رحمہم اللہ وغفرلہم کے بارے میں ہمارا حسن ظن یہی ہے کہ یہ بزرگ قادیانیت کی مخالفت میں مخلص تھے اور ان کا اثر و رسوخ بھی اتنا زیادہ تھا کہ مسلمانوں میں بہت کم ایسے اشخاص ہوتے ہیں جو ان کے ہم پایہ ہوں اگرچہ یہ الفاظ سننے اور پڑھنے والوں کے لئے تکلیف دہ ہوں گے اور قادیانی اخبارات و رسائل بھی چند دن اپنی تائید میں پیش کر کے خوش ہوتے رہیں گے لیکن ہم اسکے باوجود اس تلخ نوائی پر مجبور ہیں کہ **ان اکابر کی تمام کاوشوں کے باوجود قادیانی جماعت میں اضافہ ہوا ہے**۔ متحدہ ہندوستان میں قادیانی بڑھتے رہے تقسیم کے بعد اس گروہ نے پاکستان میں نہ صرف پاؤں جمائے بلکہ جہاں ان کی تعداد میں اضافہ ہوا وہاں ان کے کام کا یہ حال ہے کہ ایک طرف تو روس اور امریکہ سے سرکاری سطح پر آنے والے سائنسدان ربوہ آتے ہیں اور دوسری جانب ۱۹۵۳ء کے عظیم تر ہنگامہ کے باوجود قادیانی جماعت اس کوشش میں ہے کہ اس کا ۵۶-۱۹۵۵ء کا بجٹ پچیس لاکھ روپیہ کا ہو"۔ (المنیر لائلپور ۲۳ فروری ۱۹۵۶ء)

اس شہادت کا ایک ایک لفظ بتا رہا ہے کہ لکھنے والے نے کتنی تکلیف کے ساتھ اس صداقت کا اعتراف کیا ہے کہ جماعت احمدیہ بڑھتی رہی ہے اور اب بھی بڑھ رہی ہے۔ اس کے مخالفین اپنی ساری کوششوں کے باوجود ناکام رہے ہیں۔

ان واقعات کے باوجود اگر آج مولوی ثناء اللہ صاحب کے پوتے انکی مدح میں یہ کہتے ہیں کہ **مولوی صاحب** نے قادیانی نبوت کی دھجیاں اڑا دیں" تو اسے ان کی خوش خیالی کے سوا اور کیا کہا جاسکے گا؟ مولوی ثناء اللہ صاحب جس کس مپرسی کے عالم میں سرگودہا میں فوت ہوئے تھے وہ خود ایک نشان تھا۔ پھر دیکھو مولوی صاحب نے عوام کے مذاق کے مطابق تقریریں کر کے زندگی بھر میں ایک کتب خانہ امرتسر میں قائم کیا تھا جو سراسر تباہ ہو گیا۔ خود مولوی رضاء اللہ صاحب نے اسی خطبہ میں بیان کیا ہے کہ :-

" مجھے انہوں (مولوی ثناء اللہ صاحب) نے بطور وصیت فرمایا کہ میرا کتب خانہ **زیادہ تر جلسوں** کی آمد سے خریدا گیا ہے اسلئے تم لوگ اس سے استفادہ کر سکتے ہو لیکن تمہیں اسکے فروخت کرنے کا اختیار نہیں۔ یہ جماعت کی چیز ہے اسے جماعتی مقاصد میں استعمال ہونا چاہیئے۔ افسوس کہ وہ عظیم الشان کتب خانہ ۱۹۴۷ء میں تاراج ہو گیا۔ نہ ہمارے **کام آسکا نہ جماعت اسے استعمال کر سکی** ع اے بسا آرزو کہ خاک شدہ"۔ (الاعتصام ۲۰ مارچ ۱۹۵۳ء)

خدا ترس اصحاب کا فرض ہے کہ غور کریں کہ خدا تعالیٰ کی فعلی شہادت نے حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام اور مولوی ثناء اللہ صاحب میں سے کس کو کامیاب اور کس کو ناکام ثابت کیا ہے۔ کس کو استحکام حاصل ہوا ہے اور کس کے سارے اندوختہ کو تاخت و تاراج کر دیا گیا؟

مولوی رضاء اللہ صاحب نے اپنے خطبہ استقبالیہ میں دوسری بات یہ کہی ہے کہ :-

" آخر کار خود مرزا صاحب اپنے [illegible]

مولوی ثناء اللہ کے ساتھ آخری فیصلہ تحریر کر کے اپنی کذب بیانی کا شکار ہو گئے"۔

مولوی ثناء اللہ صاحب کا اشارہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اشتہار مجریہ ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء کی طرف ہے جس کا عنوان "مولوی ثناء اللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ" تھا۔ یہ عنوان بتاتا ہے کہ یہ کوئی یکطرفہ بات نہیں تھی بلکہ اس اشتہار میں ایسے طریق فیصلہ کی طرف دعوت دی گئی تھی جو بجا طور پر "مولوی ثناء اللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ" قرار پا سکتا تھا۔ یعنی ایسا طریق فیصلہ پیش کیا گیا تھا جو فریقین میں ہوا کرتا ہے جسے دونوں فریق منظور کیا کرتے ہیں۔ مختصر یہ کہ اشتہار ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف سے مولوی ثناء اللہ صاحب کو دعوتِ مباہلہ دی گئی تھی اور آپ نے اپنی طرف سے مباہلہ کا مسودہ بھی شائع فرما دیا تھا لیکن مولوی ثناء اللہ صاحب نے اس دعوتِ مباہلہ پر جو جواب دیا وہ ان کے اخبار "اہلحدیث" امرتسر مورخہ ۲۶ اپریل ۱۹۰۷ء میں الفاظِ ذیل میں شائع شدہ موجود ہے کہ:۔

(۱) "اس دعا کی منظوری مجھ سے نہیں لی اور بغیر میری منظوری کے اس کو شائع کر دیا"
(۲) "یہ تحریر تمہاری مجھے منظور نہیں اور نہ کوئی دانا اس کو منظور کر سکتا ہے"

علاوہ ازیں مولوی ثناء اللہ صاحب نے صاف طور پر لکھا تھا کہ:۔

"کرشن قادیانی نے ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء کو میرے ساتھ مباہلہ کا اشتہار شائع کیا تھا" (رسالہ "مرقع قادیانی" جون ۱۹۰۸ء صفحہ ۸)

جب یہ واضح ہو گیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اشتہار ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء دعوتِ مباہلہ تھا اور یہ بھی کھل گیا کہ مولوی ثناء اللہ صاحب نے اس دعوتِ مباہلہ کو نامنظور کر دیا تھا تو پھر مولوی ثناء اللہ صاحب کا لمبی عمر پانا کس منہ سے ان کی صداقت پر دلیل قرار دیا جا سکتا ہے؟ مولوی ثناء اللہ صاحب نے تو ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء کی دعوتِ مباہلہ کو رد کرتے ہوئے شائع کیا تھا کہ:۔

"قرآن تو کہتا ہے کہ بدکاروں کو خدا کی طرف سے مہلت ملتی ہے سنو من کان فی الضلالۃ فلیمدد لہ الرحمٰن مدًّا (پ ۱۶ ع) اور انما نملی لھم لیزدادوا اثمًا (پ ۴ ع) اور ویمدھم فی طغیانھم یعمھون (پ ۱ ع) وغیرہ آیات تمہارے اس دجل کی تکذیب کرتی ہیں اور سنو بل متعنا ھؤلاء و اباءھم حتّٰی طال علیھم العمر (پ ع) جن کے صاف یہی معنی ہیں کہ خدا تعالیٰ جھوٹے دغاباز، مفسد اور نافرمان لوگوں کو لمبی عمریں دیا کرتا ہے تاکہ وہ اس مہلت میں اور بھی برے کام کر لیں"۔
(اہلحدیث ۲۶ اپریل ۱۹۰۷ء صفحہ ۳ حاشیہ)

گویا مولوی ثناء اللہ صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پیش کردہ طریق فیصلہ یعنی مباہلہ کو رد کر دیا اور اپنی طرف سے یہ عام معیار پیش کیا کہ جھوٹے اور دغابازوں کو لمبی عمریں ملتی ہیں بلکہ صراحتًا شائع کیا کہ:۔

"آنحضرت علیہ السلام باوجود سچا نبی ہونے کے مسیلمہ کذاب سے پہلے انتقال ہوئے مسیلمہ باوجود کاذب ہونے کے صادق سے پیچھے مرا"۔ (مرقع قادیانی اگست ۱۹۰۷ء صفحہ ۱۰) ایضاً صفحہ ۲۸)

معراج نبویؐ کی حقیقت

احمدیت کے نقطۂ نگاہ کی کامیابی کا اقرار

نصف صدی سے کچھ زیادہ عرصہ گزرا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مسئلہ معراج نبوی کے بارے میں ایک ایسی توجیہہ پیش فرمائی جو اسوقت تک متعارف نہ تھی۔ پیشتر ازیں دو ہی نظریے تھے (۱) معراج بیداری کا جسمانی واقعہ ہے (۲) معراج خواب کا روحانی واقعہ ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تحریر فرمایا:۔

"معراج اس جسم کثیف کے ساتھ نہیں تھا بلکہ وہ نہایت اعلیٰ درجہ کا کشف تھا جس کو درحقیقت بیداری کہنا چاہیئے ایسے کشف کی حالت میں انسان ایک نوری جسم کے ساتھ حسب استعداد نفس ناطقہ اپنے کے آسمانوں کی سیر کر سکتا ہے پس چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نفس ناطقہ کی اعلیٰ درجہ کی استعداد تھی اور انتہائی نقطہ تک پہنچی ہوئی تھی اسلئے وہ اپنی معراجی سیر میں معمورۂ عالم کے انتہائی نقطہ تک جو عرش عظیم سے تعبیر کیا جاتا ہے پہنچ گئے۔ سو درحقیقت یہ سیر کشفی تھا جو بیداری سے اشد درجہ پر مشابہ ہے بلکہ ایک قسم کی بیداری ہی ہے میں اس کا نام خواب ہرگز نہیں رکھتا اور نہ کشف کے ادنیٰ درجوں میں سے اسکو سمجھتا ہوں بلکہ یہ کشف کا بزرگ ترین مقام ہے جو درحقیقت بیداری ہے بیحالت زیادہ اصفیٰ اور اجلیٰ ہوتی ہے اور اس قسم کے کشفوں میں مؤلف خود صاحب تجربہ ہے۔"

(ازالہ اوہام صفحہ ۴۷ حاشیہ طبع دوم)

اب ناظرین کرام اس بالکل اچھوتی تشریح کو مدنظر رکھ کر مولوی محمد جعفر صاحب ندوی کے ذیل کے طویل مضمون کو ملاحظہ فرمائیں جو رسالہ "ثقافت" لاہور فروری ۱۹۵۸ء نے "معراج کا مقصد" کے زیر عنوان شائع کیا ہے۔

"پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو ایک رات مسجد حرام سے اس مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی جسکے ماحول کو ہم نے بابرکت بنایا ہے۔ (یہ سیر اسلئے کرائی تھی) کہ ہم اس بندے کو اپنی نشانیاں دکھلائیں۔ یقیناً وہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔"

یہ ہے آیت کا ترجمہ۔ اسی میں معراج کا مقصد بھی بیان کر دیا گیا ہے۔ بظاہر تو یہ مقصد بہت مبہم لفظوں میں بیان کیا گیا ہے یعنی لنریہ من اٰیتنا "تاکہ ہم اسے اپنی نشانیاں دکھلائیں" یہ دو لفظ بہت ہی جامع ہیں مختصر اور بظاہر مبہم لیکن مقاصد معراج کی پوری کائنات ان دو لفظوں میں سمٹی ہوئی ہے۔

اس کی تشریح سے پہلے قرآن پاک کے انداز بیان کے متعلق ایک ضروری نکتہ پیش نظر رکھ لینا چاہیئے قرآن کریم صرف بنیادی اور اصولی باتیں بیان کرتا ہے۔ جزئیات اور تفصیلات کو یا تو پیغمبر پر چھوڑتا ہے یا شوریٰ پر یا عام عقل و بصیرت پر۔ قیامت تک کے لئے پیش آنیوالی تفصیلات و جزئیات کو ایک کتاب میں سمیٹا بھی نہیں جا سکتا۔ اس حقیقت کو سمجھنے کیلئے ایک مثال سے مدد لی جا سکتی ہے۔ قرآن نے چند سواری کے جانوروں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ

والخیل والبغال والحمیر لترکبوھا وزینۃ ۔

ہم نے تمہاری سواری اور زینت کیلئے گھوڑے خچر اور گدھے بنائے۔

اس کے بعد ہی فرمایا کہ :۔

ویخلق مالا تعلمون ۔

اور وہ ایسی چیزیں پیدا کرتا رہے گا جس کا ابھی تمہیں علم نہیں ۔

اب ہم اپنی آنکھوں سے سائیکل، موٹر سائیکل، کاریں اور ہوائی جہاز وغیرہ دیکھ رہے ہیں ۔ اگر ان ہونیوالی چیزوں کا قرآن ذکر کر دیتا تو اوّل تو اس وقت کے لوگوں کی سمجھ میں کچھ نہ آتا۔ دوسرے وہ تمام چیزیں پھر بھی رہ جاتیں جو آیندہ اور وجود میں آنے والی ہیں۔ اسلئے قرآن مجید نے ایک نہایت جامع اور مختصر لفظوں میں ایسی اصولی بات بتادی جو قیامت تک آنے والی جزئیات و تفصیلات کو سمیٹ لے اور سب پر حاوی ہو۔ قرآن کریم نے بالکل یہی صورت مقصدِ معراج بیان کرنے میں بھی اختیار فرمائی ہے جو آیاتِ ربانی صاحبِ معراج کو دکھانی مقصود تھیں ان کی تفصیل نہیں بیان فرمائی کیونکہ یہ آیات محدود نہ تھیں۔ بے شمار تھیں ۔ کچھ تو رسول اللہؐ نے خود بیان فرمائیں اور کچھ ایسی ہیں جن کا انکشاف آیندہ ہوتا جائیگا ۔ علم، عقل، تجربہ اور سائنس جوں جوں ترقی کرتی جائیگی اسی قدر وہ آیات بھی منکشف ہوتی جائیں گی ، نئے معارف وحقائق اور جدید نکات دریافت ہوتے چلے جائیں گے اور "آیات" کی نئی نئی تعبیریں سامنے آتی جائیں گی ۔ غرض مقاصدِ معراج کو لنریہ من اٰیتنا کے مختصر لفظ میں سمیٹ لینا بالکل صحیح، درست اور بجا ہے۔ اب آیئے آیات کی تفسیر اور تشریح تلاش کریں۔

یہاں ان تشریحات کے ضمن میں خواہ مخواہ بلا ارادہ بھی جسمانی اور روحانی معراج کا موضوع سامنے آجاتا ہے علماء وحکماء دونوں ہی طرف گئے ہیں اسلئے کسی ایک پہلو کو ترجیح دینا مشکل ہے ۔ البتہ ہم یہ ضرور کہہ سکتے ہیں کہ جسم اور روح دونوں کا جو تصور ہمارے ذہنوں میں ہے معراج کی کیفیت ان دونوں سے بلند وبالا ہے ۔ اگر ہم یہ سمجھیں کہ جس طرح ہم کسی خچر پر ٹخ ٹخ کرتے ہوئے کہیں تیزی سے جاتے ہیں اسی طرح حضورؐ بھی کسی مادی سواری پر بیٹھ کر مہمیز لگاتے ہوئے گئے ہونگے تو یہ غلط ہے ۔ اور اگر ہم یہ تصور کریں کہ جس طرح ہمارا خیال آن کی آن میں ہزاروں میل کا سفر کرلیتا ہے اسی طرح حضورؐ کی معراج بھی کچھ خیالی قسم کی ہوگی تو یہ بھی ہرگز صحیح نہیں ۔ یہ معراج دونوں سے الگ، دونوں سے جداگانہ اور دونوں سے بلند وبالا قسم کی تھی ۔ ہم اپنی کثیف بشریت میں رہ کر اس کی حقیقت کو پا ہی نہیں سکتے ۔ جس طرح خدا کا تصور ہر شخص اپنی پہنچ کے مطابق رکھتا ہے اسی طرح یہ کیفیات وحقائق بھی ہر انسان اپنی علمی وعرفانی رسائی کے مطابق ہی سمجھ سکتا ہے۔

ظاہر ہے کہ مسجدِ اقصیٰ میں تمام انبیاء کی امامت فرمانا ایک روحانی ہی معاملہ تھا ، متعدد انبیاء سے مختلف افلاک پر ملنا بھی مادی نہ تھا ، روحانی ہی تھا ۔ بایں ہمہ روحانی ہونے کا مطلب محض خیالی نہیں ۔ یہ روحانی سیر لطافت میں خیال سے زیادہ لطیف تھی لیکن حقیقت کے لحاظ سے جسمانی و مادی سیر سے کہیں زیادہ یقینی تھی ۔ اسلئے یہ کہنا غلط نہیں کہ معراج محمدی روحانی وجسمانی دونوں حقیقتوں سے ارفع واعلیٰ اور بلند وبالا تھی ۔

یہ تمہید اسلئے بیان کی گئی کہ مقصدِ معراج کو سمجھنے میں یہ حقیقت پیش نظر رہنی چاہیئے کہ ہم نہ خالص مادی باتیں کر رہے ہیں نہ اپنے نارسا فہم کے مطابق روحانی گفتگو کر رہے ہیں ۔ حقیقتِ حال کا علم خدا کو ہے ۔ بہرحال جو کچھ ہمارا ناقص فہم درک کر سکتا ہے وہ یہ ہے کہ پورے قصۂ معراج میں ایک بہت بڑی حقیقت کو واشگاف کیا گیا ہے ۔ محمد رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم مقامِ بشریت کے اکمل و اعلیٰ نمائندے ہیں اور معراج کی زبان میں ان مدارج کو بیان فرمایا گیا ہے جو بشر کا نصب العین ہے۔ ایسا نصب العین جہاں ہر انسان کی نگاہیں گڑی رہنی چاہئیں اور اسی رفعت و بلندی کی طرف پرواز کرتے رہنا چاہیئے۔ معراج کا وہی مقصد ہے جو خود انسانیت اور بشریت کا مقصدِ آخری ہے۔ اقبال نے سچ کہا ہے کہ ؎

سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفےٰ سے مجھے
کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گردوں

اقبال کا کہنا ہے کہ محمد مصطفےٰ بشریت کاملہ کے نمائندے ہیں اور آپ کی معراج کا مقصد یہ بتانا ہے کہ بشریت اتنی اعلیٰ و ارفع چیز ہے کہ افلاک کی بلندیاں اس کے قدموں کے نیچے ہیں۔ سرمد نے ایک دوسرے انداز سے تقریباً اسی حقیقت کو یوں بیان کیا ہے کہ ؎

ملا گوید کہ برشد احمدؐ بفلک
سرمد گوید فلک بہ احمد درشد

یعنی عام لوگ تو یہ سمجھتے ہیں کہ حضور فلک الافلاک پر تشریف لے گئے مگر سرمد یہ کہتا ہے کہ ہفت افلاک کی وسعتیں وجودِ مصطفےٰ میں سما کر گم ہوگئیں۔

غرض معراج کا سب سے بڑا مقصد اس نمائندۂ انسان کو یہ بتانا ہے کہ تیرا اصل مقام کیا ہے۔ تیری پرواز کیسی ہونی چاہیئے۔ تیرا بلند آشیانہ کہاں ہے؟ دیکھ جبرئیل و میکائیل تیرے جلو میں ہیں۔ سارے فرشتے تیرے خادم ہیں۔ سب نے تیرے باپ آدم کو سجدہ کیا ہے۔ براق اور کائنات کی ساری قوتیں تیرے زیرِ قدم ہیں۔ تیرے لئے مسخر ہیں۔ تیری سواریاں ہیں۔ تو جدھر چاہے ان کی باگ موڑ دے۔ تیرا مقصود اصلی انبیاء بھی نہیں، یہ راہ میں ملنے والے مسافر ہیں ان سب سے گزر جا۔ تیرا اصلی مقام اس کنگرۂ کبریا کے پاس ہے کہ بقول رومی ؎

بہ زیرِ کنگرۂ کبریاش مردانند
فرشتہ صید، پیمبر شکار، یزداں گیر

پھر لامحدود پہنائیوں کا فاصلہ طے کرنا اور صدیوں کی راہ وقت گزرے بغیر ہی عبور کرنا بھی دراصل انسان کے مقام ہی کو ظاہر کرتا ہے۔ بشریت کا سب سے بڑا ارتقاء یہ ہے کہ وہ زمان اور مکان دونوں کی سرحدوں کو پار کر جائے۔ موجودہ سائنس نے زمان اور مکان دونوں کو اضافی مان لیا ہے اور اس کی ایک عمیق تھیوری یہ بھی ہے کہ زمان اور مکان کو سکیڑ کر نقطۂ لاشیٔ بنانا عین ممکن ہے۔ یہ ابھی تک تھیوری ہے اور عقلاء و حکماء نے اسے برسوں کے جھگڑے کے بعد صحیح تسلیم کر لیا ہے۔ شرط ہے ایسی رفتار کی جو روشنی کی رفتار کے برابر ہو۔ بہرکیف زمان و مکان کی حدود کو پھاند جانے کا سائنٹیفک امکان ایک نظریئے کے طور پر مسلّم ہو گیا ہے اور انسانی ترقی کی رفتار سے یہ بعید نہیں کہ کبھی یہ عملاً بھی اسے ثابت کر دے۔

یہ حقیقت ہے کہ جب انسان اپنے مرتبے کو نہیں پہچانتا تو اپنے سے نیچے مرتبے والی چیزوں کے آگے جھکنے لگتا ہے۔ فرشتے، جن، چاند، سورج، برق و باد، دریا و بحر، چوپائے، درخت غرض ہر شے کو اپنے آپ سے افضل و برتر اور نفع بخش و نقصان رساں سمجھ کر اس کے آگے جھکنے لگتا ہے۔ اور اگر ان سب کو ترک بھی کر دے تو وقت، زماں یا دہر کو مؤثر ماننے لگتا ہے۔ لیکن معراجِ نبویؐ نے انسان کا مرتبہ اتنا بلند کر دیا ہے کہ رفتارِ وقت کی باگ بھی اس کے ہاتھ میں دیدی ہے۔ اور اعلیٰ سے اعلیٰ مکان کو بھی

اس کے قدموں کے نیچے ڈال دیا ہے۔ ایسا بلند انسان جو اپنے سوا ہر شے کو اپنے حیطۂ اقتدار میں سمجھے اور پھر بجز خدا کے کسی کے آگے نہ جھکے وہی عبد مومن ہوتا ہے۔ اور "اسریٰ بعبدہٖ" میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔ غرض معراج کا اصلی مقصد انسان کو یہ بتانا ہے کہ تو اگر بندۂ خدا ہو تو ساری کائنات تیرے قدموں کے نیچے ہے ؎

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

یہی سب سے بڑی حقیقت ہے جو "لنریہ من آیتنا" میں بیان کی گئی ہے۔

ضروری اعلان

(۱) رسالہ الفرقان کی تاریخ اشاعت ہر ماہ کی پانچ تاریخ ہے۔ اس تاریخ کو رسالہ ڈاکخانہ میں دیدیا جاتا ہے۔ اگر بروقت نہ ملے تو ڈاکخانہ سے دریافت کرنے کے بعد ہمیں لکھیں۔

(۲) رسالہ کی قیمت پیشگی بھجوانا اپنا فرض سمجھیں۔ منی آرڈر کردیں تو بہت مہربانی ہوگی۔ ورنہ وی پی وصول فرمالیا کریں۔ شکریہ

(مینجر الفرقان۔ ربوہ)

توفّی کے متعلق بحث

اس مضمون پر مقالہ آئندہ اشاعت میں ملاحظہ فرمائیں۔

(ایڈیٹر)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری

(بقیہ صفحہ ۴)

اس لحاظ سے مولوی ثناء اللہ صاحب کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعد فوت ہونا بھی ان کے خلاف ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تو صاف طور پر تحریر فرما دیا تھا کہ:۔

"اگر اس چیلنج پر وہ (مولوی ثناء اللہ صاحب) مستعد ہوئے کہ کاذب صادق سے پہلے مرجائے تو ضرور وہ پہلے مریں گے۔"

(رسالہ اعجاز احمدی ص ۳۷)

مگر چونکہ وہ اس طریق پر مباہلہ کے لئے تیار نہ ہوئے بلکہ انہوں نے کہا کہ لمبی عمر پانے سے جھوٹا اور کذاب ثابت ہوتا ہے مسیلمہ قرار پاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کے مسلمات کے مطابق ان سے سلوک کیا۔ علاوہ ازیں دیکھنے والی بات تو یہ ہے۔ کہ مولوی ثناء اللہ صاحب اتنی لمبی عمر تک شدید مخالفت کرنے کے باوجود احمدیت کا کیا بگاڑ سکے اور اپنا کیا بنا سکے؟ ان کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعد قریباً نصف صدی تک زندہ رہکر مخالفت کا موقعہ ملا۔ مگر وہ یہ حسرت ہی لے کر گئے کہ احمدیت تو روز بروز ترقی کر رہی ہے۔ ان فی ذالک لعبرۃ لاولی الالباب ✦

حضرت امام شافعیؒ کا سفرنامہ

(ان کے شاگرد ربیع بن سلیمان کے بیان کا ترجمہ)

حضرت امام شافعیؒ نے بہت کم عمری میں تحصیل حدیث کیلئے مدینہ منورہ اور عراق کا سفر کیا تھا جس کی سرگزشت اپنے شاگرد ربیع بن سلیمان سے بیان کی تھی۔ انہوں نے ان حالات کو سفرنامہ کی شکل میں قلمبند کرکے محفوظ کر دیا جس سے اس عہد کے علماء اور اس زمانے کی معاشرت کے بارے میں بعض دلچسپ اور کارآمد باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

"مکہ سے جب میں روانہ ہوا تو میری عمر ۱۴ برس کی تھی دو یمنی چادریں میرے جسم پر تھیں۔ ذی طویٰ پہنچا تو ایک پڑاؤ دکھائی دیا۔ میں نے صاحب سلامت کی۔ ایک ضعیف العمر شخص میری طرف بڑھا اور اپنے ساتھ کھانے میں شرکت کی دعوت دی۔ میں نے بے تکلفی سے وہ دعوت قبول کر لی۔ کھانے سے فراغت کے بعد خدا کا شکر اور بوڑھے میزبان کا شکریہ ادا کیا۔

اب باتیں ہونے لگیں انہوں نے سوال کیا "تم مکی ہو؟" میں نے جواب دیا "جی ہاں میں مکی ہوں" پھر سوال کیا "قریشی ہو؟" میں نے کہا "ہاں قریشی ہوں۔" پھر میں نے پوچھا "چچا! آپ نے کیسے جانا کہ میں مکی ہوں، قریشی ہوں؟" انہوں نے کہا کہ "شہری ہونا تو تمہارے لباس ہی سے ظاہر ہے اور قریشی ہونا تمہارے کھانے سے معلوم ہو گیا۔ جو شخص دوسروں کا کھانا بے تکلفی سے کھا لیتا ہے وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ لوگ اس کا کھانا بھی دل کھول کر کھائیں اور یہ خصلت صرف قریش کی ہے۔"

میں نے پوچھا "آپ کہاں کے رہنے والے ہیں؟" جواب ملا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شہر مدینہ میرا وطن ہے" میں نے پوچھا مدینہ میں کتاب و سنت کا سب سے بڑا عالم اور مفتی کون ہے؟" انہوں نے جواب دیا کہ "بنی اصبح کا سردار مالک بن انس۔" (امام مالکؒ) میں نے کہا "خدا ہی جانتا ہے مجھے امام مالکؒ سے ملنے کا کتنا شوق ہے؟" بوڑھے نے جواب دیا "خوش ہو جاؤ خدا نے تمہارا شوق پورا کر دیا اس بھورے اونٹ کو دیکھو یہ ہمارا سب سے اچھا اونٹ ہے اسی پر تم سوار ہو گے۔ اب قافلہ کوچ کرنے والا ہے۔"

سب اونٹ قطار میں کھڑے کر دیئے گئے مجھے اسی بھورے اونٹ پر بٹھایا گیا اور قافلہ چل پڑا۔ میں نے تلاوت قرآن شروع کر دی مکہ سے مدینہ تک سولہ ختم ہو گئے ایک دن میں ختم کر لیتا دوسرا رات میں۔

امام مالکؒ سے ملاقات

آٹھویں دن عصر کے وقت مدینہ میں ہمارا داخلہ ہوا مسجد نبوی میں نماز پڑھی پھر مزار مقدس کے قریب حاضر ہوا اور صلوٰۃ وسلام بھیجا امام مالکؒ دکھائی دیئے ایک چادر کی تہ بند باندھے تھے دوسری چادر اوڑھے تھے اور بلند آواز سے حدیث روایت کر رہے تھے۔

"مجھ سے نافع نے ابن عمرؓ کے واسطے سے

اس قبر کے مکین سے روایت کی ہے ....."

یہ کہہ کر انہوں نے زور سے اپنا ہاتھ پھیلا دیا۔ اور قبر شریف کی طرف اشارہ کیا۔

یہ نظارہ دیکھ کر امام مالکؒ کی ہیبت مجھ پر چھا گئی اور جہاں جگہ ملی وہیں بیٹھ گیا امام مالکؒ حدیث روایت کرنے لگے۔ میں نے جلدی سے ایک تنکا اٹھا لیا امام مالکؒ جب کوئی حدیث سناتے تو میں اس تنکے کو اپنے لعاب دہن میں تر کرکے اپنی ہتھیلی پر رکھ لیتا۔ امام مالکؒ میری یہ حرکت دیکھ رہے تھے۔ مگر مجھے خبر نہ تھی۔ آخر مجلس ختم ہو گئی اور امام مالکؒ دیکھنے لگے کہ سب کی طرح میں بھی اٹھ جاتا

ہوں یا نہیں۔ جب بیٹھا ہی رہا تو امام مالکؒ نے اشارے سے مجھے بلایا۔ میں قریب پہنچا تو کچھ دیر بڑے غور سے مجھے دیکھتے رہے۔ پھر فرمایا "تم حرم کے رہنے والے ہو؟" میں نے عرض کیا "جی ہاں" "میں حرم ہی کا باشندہ ہوں" پوچھا "مکی ہو؟" میں نے کہا "جی ہاں" کہنے لگے "قریشی ہو؟" میں نے کہا "جی ہاں" فرمایا سب اوصاف پورے ہیں۔ مگر تم میں ایک بے ادبی بھی ہے" میں نے عرض کیا "آپ نے میری کونسی بے ادبی دیکھی ہے؟" کہنے لگے "میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمات طیبات سنا رہا تھا۔ اور تم تنکا لئے اپنے ہاتھوں پر کھیل رہے تھے" میں نے جواب دیا "کاغذ پاس نہیں تھا۔ اس لئے جو کچھ آپ سے سنتا تھا اسے لکھتا جاتا تھا" اس پر امام مالکؒ نے میرا ہاتھ کھینچ لیا دیکھا اور فرمایا "ہاتھ پر تو کچھ بھی لکھا نہیں ہے" میں نے عرض کیا "ہاتھ پر تو اب باقی نہیں رہتا لیکن آپ نے جتنی حدیثیں سنائی ہیں، مجھے سب یاد ہو چکی ہیں" امام مالکؒ کو تعجب ہوا کہنے لگے "سب نہیں ایک ہی حدیث سنادو" میں نے فوراً کہا۔

"مجھ سے مالکؒ نے نافع اور ابن عمرؓ کے واسطے سے اس قبر کے مکین سے روایت کیا ہے"

اور امام مالکؒ ہی کی طرح میں نے بھی ہاتھ پھیلا کر قبر شریف کی طرف اشارہ کیا۔ پھر وہ پچیس حدیثیں سنادیں جو انہوں نے اپنے بیٹھنے کے وقت سے ظہر کے خاتمے تک سنائی تھیں۔

اب سورج ڈوب چکا تھا امام مالکؒ نے نماز پڑھی پھر میری طرف اشارہ کرکے خادم سے کہا "اپنے آقا کا ہاتھ تھام" اور مجھ سے فرمایا "اٹھو خادم کے ساتھ میرے گھر جاؤ" میں نے ذرا انکار نہ کیا اور اٹھ کھڑا ہوا جب گھر پہنچا تو خادم ایک کوٹھری میں مجھے لے گیا اور کہنے لگا "گھر میں قبلہ کا رخ یہ ہے پانی کا لوٹا یہ رکھا ہے اور بیت الخلا ادھر ہے"

تھوڑی دیر بعد خود امام مالکؒ آ گئے خادم بھی ساتھ تھا۔ اسکے ہاتھ میں ایک خوان تھا امام مالکؒ نے خوان لے کر فرش پر رکھ دیا پھر مجھے سلام کیا اور خادم سے کہا کہ ہاتھ دھلائے خادم برتن لئے میری طرف بڑھا۔ مگر امام مالکؒ نے ٹوکا "جانتا نہیں کھانے سے پہلے میزبان کا ہاتھ دھونا چاہیئے اور کھانے کے بعد مہمان کا" مجھے یہ بات پسند آئی اور اس کی وجہ دریافت کی۔ امام مالکؒ نے جواب دیا "میزبان کھانے پر مہمان کو بلاتا ہے۔ اس لئے پہلے ہاتھ بھی میزبان ہی کو دھونا چاہیئے۔ اور کھانے کے بعد آخر میں اس لئے دھوتا ہے۔ کہ شاید اور کوئی مہمان آجائے تو کھانے میں میزبان اس کا بھی ساتھ دے سکے"

کھانا کھانے کے بعد امام مالکؒ مکہ والوں کے حالات پوچھتے رہے اور جب رات زیادہ ہوگئی تو اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا "اب تم آرام کرو" میں تھکا ہوا تو تھا ہی لیٹتے ہی بے خبر سوگیا۔ پچھلے پہر کوٹھری کے دروازے پر دستک پڑی اور آواز آئی "خدا کی رحمت ہو تم پر، نماز" میں اٹھ بیٹھا کیا دیکھتا ہوں۔ کہ خود امام مالکؒ ہاتھ میں لوٹا لئے کھڑے ہیں۔ مجھے بڑی شرمندگی ہوئی۔ مگر وہ کہنے لگے۔ "ابوعبداللہ کچھ خیال نہ کرو۔ مہمان کی خدمت فرض ہے"

امام مالکؒ کے ساتھ مسجد نبوی میں نماز فجر ادا کی۔ اندھیرا بہت تھا۔ تاریکی دور ہوجانے کے بعد جب پہاڑوں پر دھوپ نمودار ہوگئی تو امام مالکؒ جس جگہ کل بیٹھے تھے اسی جگہ آج بھی جا بیٹھے۔ اور اپنی کتاب موطا میرے ہاتھ میں دے دی۔ میں نے کتاب سنانا شروع

کی اور لوگ لکھنے لگے۔

میں امام مالکؒ کے یہاں آٹھ مہینے رہا۔ پوری موطا مجھے حفظ ہو گئی۔ مجھ میں اور امام مالکؒ میں اس قدر محبت اور بے تکلفی ہو گئی تھی کہ کوئی انجان دیکھ کر نہیں کہہ سکتا تھا کہ مہمان کون ہے۔ اور میزبان کون۔

عراق کا سفر

حج کے بعد مدینہ کی زیارت کرنے اور موطا سننے کے لئے مصر کے لوگ مدینہ آئے اور امام مالکؒ کی خدمت میں پہنچے۔ میں نے مصریوں کو پوری موطا زبانی سنائی۔

اس کے بعد اہلِ عراق حاضر ہوئے۔ مزار مبارک اور منبر کے درمیان مجھے ایک نوجوان دکھائی دیا۔ صاف ستھرے کپڑے پہنے ہوئے تھا اس کی نماز بھی اچھی تھی۔ میں نے نام پوچھا، بتا دیا پھر میں نے وطن پوچھا۔ معلوم ہوا وہ کوفہ کا باشندہ ہے۔ میں نے کہا "کوفہ میں کتاب و سنت کا عالم و مفتی کون ہے؟" اس نے جواب دیا۔ "ابو یوسف اور محمد بن حسن جو امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد ہیں" میں نے پوچھا "عراق کو تمہاری واپسی کب ہوگی؟" اس نے جواب دیا "کل صبح تڑکے"

یہ سن کر امام مالکؒ کے پاس آیا۔ ان کا عندیہ معلوم کیا۔ انہوں نے علم کی طلب اور اس کے حصول کی فضیلت بیان کی اور راستہ کے لئے میرے کھانے کا بندوبست کر دیا۔ صبح تڑکے وہ مجھے بقیع تک پہنچانے آئے اور زور سے پکارنے لگے "کوفہ کے لئے کون اپنا اونٹ کرایہ پر دیتا ہے؟" یہ سن کر مجھے تعجب ہوا اور عرض کیا "یہ کیا کر رہے ہیں آپ؟ نہ میرے پاس کوئی رقم ہے اور نہ خود آپ ہی کی حالت کچھ قابل ہے۔ پھر کرایہ کا اونٹ کیسا؟" امام مالکؒ مسکرائے اور کہنے لگے۔ "نماز عشاء کے بعد جب تم سے رخصت ہوا۔ تو دروازہ پر دستک پڑی۔ میں باہر نکلا تو عبد الرحمٰن بن قاسم کھڑے تھے۔ ہدیہ لائے تھے۔ منتیں کرنے لگے کہ قبول کر لو۔ اور ہاتھ میں ایک تھیلی تھما دی تھیلی میں سو دینار نکلے۔ پچاس تو میں نے اپنے اہل و عیال کے لئے رکھ لئے ہیں اور پچاس تمہارے واسطے لے آیا ہوں" پھر امام مالکؒ نے چار دینار میں اونٹ طے کر دیا۔ باقی رقم میرے حوالے کی۔ اور مجھے خدا حافظ کہا۔

حاجیوں کے اس قافلے کے ساتھ میں روانہ ہو گیا۔ چوبیسویں دن ہم کوفہ پہنچے۔ عصر کے بعد مسجد میں داخل ہوا۔ نماز پڑھی اور بیٹھ گیا۔ اسی دوران میں ایک لڑکا دکھائی دیا۔ نماز پڑھ رہا تھا۔ مگر اس کی نماز ٹھیک نہ تھی۔ مجھ سے نہ رہا گیا۔ اور نصیحت کرنے اٹھ کھڑا ہوا۔ میں نے کہا۔ میاں صاحبزادے! نماز اچھی طرح پڑھا کرو تاکہ آخرت کی گرفت سے محفوظ رہو۔ لڑکے کو میری بات بری لگی۔ اس نے اپنی عبا زور سے جھٹکی اور مسجد سے باہر جانے لگا۔

امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ سے ملاقات

اتفاق سے مسجد کے دروازے ہی پر لڑکے کو محمد بن حسنؒ اور ابو یوسفؒ مل گئے اس نے ان سے اس واقعہ کا تذکرہ کیا۔ دونوں حضرات نے کہا تم اس شخص کے پاس جاؤ اور پوچھو کہ نماز میں کس طرح داخل ہوتے ہو؟ لڑکا لوٹ آیا اور مجھ

سے وہ سوال کیا۔ میں نے جواب دیا" دو فرض اور ایک سنت کے ساتھ نماز میں داخل ہوتا ہوں" لڑکا یہ سُن کر چلا گیا اور ان دونوں حضرات کو میرا جواب پہنچا دیا اس پر وہ سمجھ گئے کہ جواب ایسے آدمی کا ہے، جس کی علم پر نظر ہے۔ مگر انہوں نے اس لڑکے سے کہا، پھر جا کر پوچھو کہ وہ دونوں فرض کون ہیں اور سنت کیا ہے؟ لڑکے نے آکر مجھ سے یہی سوال کیا۔ میں نے جواب دیا" پہلا فرض نیت ہے۔ دوسرا فرض تکبیر تحریمہ ہے اور سنت دونوں ہاتھوں کا اٹھانا ہے" لڑکے نے میرا جواب بھی دونو صاحبوں کو سنا دیا۔

اب وہ دونوں حضرات مسجد میں داخل ہوئے مجھے غور سے دیکھا، آگے بڑھ گئے اور ایک طرف بیٹھ گئے۔ پھر لڑکے سے کہا جاؤ اس شخص سے کہو کہ مشائخ کے روبرو آئے پیغام سُن کر میں سمجھ گیا کہ علمی مسائل میں میرا امتحان لیں گے۔ میں نے لڑکے کو جواب دیا کہ لوگ علم کے پاس آتے ہیں اور علم کسی کے پاس نہیں جاتا۔ پھر یہ بھی نہیں معلوم کہ تمہارے مشائخ سے ملنے کی ضرورت کیا ہے؟

میرا جواب پاتے ہی محمد بن حسنؒ اور ابو یوسفؒ اٹھ کھڑے ہوئے اور میری طرف بڑھے جب انہوں نے مجھے سلام کیا تو میں بھی کھڑا ہو گیا! وہ مسرت ظاہر کر کے بیٹھ گئے۔ میں بھی ان کے ساتھ بیٹھ گیا۔ محمد بن حسنؒ نے گفتگو شروع کی۔ اثنائے گفتگو میں انہوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ" امام مالکؒ کو تم نے دیکھا ہے؟ میں نے کہا" جی ہاں۔ امام مالکؒ ہی کے پاس سے آرہا ہوں" سوال کیا کہ موطا بھی دیکھی ہے؟ میں نے کہا موطا حفظ بھی کر چکا ہوں۔

محمد بن حسنؒ کو یہ بات تعجب خیز نظر آئی۔ اسی وقت لکھنے کا سامان طلب کیا، اور ابواب فقہ کا ایک ایک مسئلہ لکھا۔ ہر دو مسئلوں کے درمیان کافی جگہ خالی رکھی، اور کاغذ میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا ان مسائل کا جواب موطا سے لکھ دو" میں نے سب مسئلوں کے جواب لکھے اور کاغذ محمد بن حسنؒ کے سامنے رکھ دیا۔ انہوں نے بغور میری تحریر پڑھی پھر مڑ کر خادم کو حکم دیا:-

"اپنے آقا کو گھر لے جاؤ"

امام محمدؒ کے ساتھ

اس کے بعد محمد بن حسنؒ نے مجھ سے کہا خادم کے ساتھ جاؤ میں بے تکلف اٹھ کھڑا ہوا مسجد کے دروازے پر پہنچا تو خادم نے کہا" آقا کا حکم ہے کہ آپ ان کے گھر سواری پر جائیں" میں نے جواب دیا" تو سواری حاضر کر دو"۔

خادم نے ایک سجا سجایا خچر میرے سامنے کھڑا کر دیا۔ جب میں سوار ہوا۔ تو تن کے پرانے کپڑے نگاہوں میں کھٹکنے لگے۔ اور اپنی حالت پر افسوس ہوا۔ خادم کوفہ کے گلی کوچوں میں ہوتا ہوا محمد بن حسنؒ کے گھر لایا۔

کچھ دیر بعد محمد بن حسنؒ آئے۔ ایک ہزار درہم کا قیمتی جوڑا مجھے پہنایا۔ اور اپنے کتب خانہ سے امام ابو حنیفہؒ کی تالیف" الکتاب الاوسط" نکال کر لائے۔ میں نے کتاب الٹ پلٹ کے دیکھی اور رات کو اسے یاد کرنا شروع کیا۔ صبح ہونے سے پہلے پوری کتاب حفظ کر لی۔ مگر محمد بن حسنؒ کو اس کی خبر نہ ہوئی۔

محمد بن حسنؒ کوفہ میں سب سے بڑے مفتی تھے ایک دن میں ان کے دائیں طرف بیٹھا تھا ایک

مسئلہ کا فتویٰ پوچھا گیا۔ انہوں نے بتایا کہ امام ابو حنیفہؒ نے یہ کہا ہے۔ میں بول اٹھا " آپ سے سہو ہو گیا ہے۔ اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہؒ کا قول وہ نہیں یہ ہے اور امام ابو حنیفہؒ نے اپنی کتاب میں اس مسئلہ کا ذکر فلاں مسئلہ کے نیچے اور فلاں مسئلہ کے اوپر کیا ہے۔" محمدؒ بن حسنؒ نے فوراً کتاب منگا کر دیکھی تو میری بات بالکل ٹھیک نکلی۔ اسی وقت انہوں نے اپنے جواب سے رجوع کیا۔

کچھ دن بعد محمدؒ بن حسنؒ سے میں نے سفر کی اجازت چاہی، فرمانے لگے۔ " میں اپنے کسی مہمان کو جانے کی اجازت نہیں دیتا۔ میرے پاس جو مال و دولت موجود ہے اس میں سے آدھا تم لے لو۔" میں نے جواب دیا۔" یہ بات میرے مقاصد اور ارادے کے خلاف ہے میری خوشی صرف سفر میں ہے۔" اس پر انہوں نے اپنے صندوق کی ساری نقدی منگائی۔ تین ہزار درہم نکلے سب میرے حوالے کر دیئے اور میں نے بلادِ عراق و فارس کی سیاحت شروع کی۔ لوگوں سے ملتا جلتا رہا۔ یہاں تک کہ میری عمر اکیس برس کی ہو گئی۔

ہارون رشید سے ملاقات

پھر میں ہارون رشید کے زمانے میں بغداد آیا۔ بغداد کے پھاٹک پر قدم رکھا ہی تھا کہ ایک شخص نے مجھے روکا اور نرمی سے پوچھا ' آپ کا نام؟ میں نے کہا محمدؒ۔ پھر اس نے باپ کا نام پوچھا میں نے کہا ادریس شافعی۔ کہنے لگا آپ مطلبی ہیں ؟ میں نے اقرار کیا۔ اس کے بعد جیب سے ایک نوٹ بک نکالی اور میرا بیان اس میں قلم بند کر کے مجھے چھوڑ دیا میں ایک مسجد میں پہنچا اور سوچنے لگا کہ اس آدمی نے جو کچھ لکھا ہے دیکھنا چاہیئے اس کا انجام کیا ہو؟ آدھی رات کے بعد پولیس والے آئے اور ہر شخص کو روشنی میں دیکھنا شروع کیا۔ آخر میری باری آئی اور پولیس نے پکار کر لوگوں سے کہا۔ " ڈرنے کی بات نہیں۔ جس آدمی کی تلاش تھی مل گیا ہے۔" پھر مجھ سے کہا " امیر المومنین کے حضور چلو۔"

میں نے پس و پیش نہیں کیا۔ فوراً اٹھ کھڑا ہوا شاہی محل پہنچایا گیا۔ امیر المومنین پر جب میری نظر پڑی تو صاف مضبوط آواز میں مَیں نے انہیں سلام کیا۔ امیر المومنین کو میرا انداز پسند آیا۔ سلام کا جواب دیا۔ اور فرمایا " تم کہتے ہو کہ ہاشمی ہو؟" مَیں نے جواب دیا" امیر المومنین! ہر دعوٰی کتاب اللہ میں باطل ہے۔" پھر امیر المومنین نے میرا نسب پوچھا مَیں نے بیان کر دیا۔ بلکہ آدم علیہ السلام تک پہنچا دیا اس پر امیر المومنین کہنے لگے " بے شک یہ فصاحت و بلاغت اولادِ مطلب ہی کا حصّہ ہے بتاؤ کیا تم پسند کرو گے کہ مسلمانوں کا قاضی بنا کر تمہیں اپنی سلطنت میں شریک کر لوں۔ اور تم کتاب و سنت کے مطابق اپنا اور میرا حکم چلایا کرو۔" میں نے جواب دیا۔ " سلطنت میں شرکت کے ساتھ صبح سے شام تک بھی قاضی بننا مجھے منظور نہیں۔ یہ سن کر امیر المومنین بہت متاثر ہوئے۔

کتاب الزعفران کی تالیف

میں پھر اسی مسجد لوٹ آیا۔ جس میں اترا تھا صبح کو ایک نوجوان نے نماز کی امامت کی اسکی قرأت تو اچھی تھی مگر علم کم تھا۔ نماز میں سہو ہو گیا مگر اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کرے میں نے کہا "بھائی!

تم نے ہماری اور اپنی سب کی نماز خراب کر دی۔" نوجوان نے پھر سے نماز پڑھائی۔ اس کے بعد میں نے اس سے کہا "کاغذ اور قلم دوات لے آؤ میں تمہارے لئے باب سہو لکھ دوں گا۔" وہ فوراً سب سامان لے آیا۔ اللہ تعالیٰ نے میرا بھی ذہن کھول دیا اور میں نے کتاب، سنت اور اجماع امت کے مطابق ایک مستقل کتاب لکھ دی۔ کتاب کا نام اسی کے نام پر "کتاب الزعفران" رکھا یہ کتاب چالیس جزو میں پوری ہوئی۔

اب مجھے تین برس اور رہ چکے تھے۔ اسی اثناء میں حاجی حجاز سے لوٹے۔ میں ان سے امام مالکؒ اور اپنے وطن کے حالات معلوم کرنے چلا۔ ایک نوجوان دکھائی دیا۔ میں نے اس سے امام مالکؒ اور حجاز کے بارے میں پوچھ گچھ کی کہنے لگا سب ٹھیک ہے میں نے امام مالکؒ کے بارے میں دوبارہ سوال کیا۔ تو کہنے لگا "تفصیل سے بتا دوں۔ یا مختصر جواب دوں؟" میں نے کہا "اختصار ہی میں بلاغت ہوتی ہے۔" کہنے لگا "تو سنو، امام مالکؒ بہت تندرست ہیں اور بہت دولت مند ہو گئے ہیں۔"

یہ سن کر مجھے شوق ہوا کہ فقر و فاقہ میں تو امام مالکؒ کو دیکھ چکا ہوں اب مال و دولت میں انہیں دیکھنا چاہیئے۔ میں نے نوجوان سے کہا "تمہارے پاس اتنا روپیہ ہے کہ سفر کی ضرورتیں پوری ہو جائیں؟" اس نے جواب دیا "آپ کی جدائی عراق والوں پر عام طور سے اور مجھ پر خاص طور سے بہت شاق ہوگی۔ مگر میرے پاس جو کچھ ہے اسے اپنا ہی سمجھ کر لے لیجئے۔" میں نے کہا سب مجھے دے دو گے تو تم خود کس طرح زندگی بسر کرو گے کہنے لگا اپنی وجاہت اور ادب سے یہ کہہ کر اس نے مجھے بڑے غور سے دیکھا

اور کہا سب نہیں لیتے تو جتنا چاہو لے لو۔ میں نے ضرورت بھر لے لیا اور علاقہ ربیعہ کی راہ لی۔

ایک دلچسپ واقعہ

جمعہ کے دن میں حران پہنچا غسل کیلئے حمام گیا۔ سر کے بال ترشنے کیلئے حجام کو طلب کیا۔ وہ تھوڑے بال کاٹنے پایا تھا کہ شہر کا کوئی امیر آدمی آ گیا اور حجام کو اسکی خدمت کیلئے یاد کیا حجام نے مجھے چھوڑ دیا اور اس امیر آدمی کے پاس دوڑ گیا۔ پھر جب اس سے چھٹی پائی تو میرے پاس واپس آیا۔ میں نے حجامت درست کرانے سے انکار کر دیا۔ مگر جب حمام سے جانے لگا تو میرے پاس جو دینار تھے ان میں سے اکثر حجام کے ہاتھ پر رکھتے ہوئے کہا "یہ لے لو مگر خبردار کسی پردیسی کو حقیر نہ سمجھنا۔" حجام نے بڑی حیرت سے مجھے دیکھا حجام کے دروازے پر ایک بھیڑ لگ گئی اور لوگ حیران تھے کہ اتنی بڑی رقم حجام کو کیوں دیدی۔

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ شہر کا ایک بڑا امیر آدمی حمام سے نکلا اسکے سامنے سواری حاضر کی گئی بھیڑ کے سامنے میں تقریر کر رہا تھا میری آواز اسکے کان میں پڑ گئی وہ سوار ہو چکا تھا لیکن اتر پڑا اور مجھ سے کہنے لگا "آپ شافعی ہیں؟" میں نے اقرار کیا تو امیر آدمی نے سواری کی رکاب میرے قریب کر دی اور عاجزی سے کہنے لگا "براہ کرم سوار ہو جائیے" میں سوار ہو گیا غلام سر جھکائے آگے آگے چل رہا تھا یہاں تک کہ امیر کا گھر آ گیا۔

تھوڑی دیر بعد خود وہ امیر آدمی آ پہنچا اور بڑی بشاشت ظاہر کی پھر دستر خوان بچھ گیا اور ہمارے ہاتھ دھلائے گئے مگر میں نے کھانے کیطرف ہاتھ نہ بڑھایا امیر کہنے لگا کیوں کیا بات ہے؟" میں نے جواب دیا "میں اس وقت تک ایک لقمہ بھی نہ اٹھاؤں گا جب تک یہ نہ بتا دو کہ تم مجھے پہچانتے کیسے ہو؟" امیر نے کہا "بغداد میں آپ نے جو کتاب

(کتاب الزعفران) لکھ کر سنائی تھی۔ اسکے سننے والوں میں سے ایک میں بھی تھا۔" یہ سن کر میں نے کہا "علم و دانش منزل کا کبھی نہ ٹوٹنے والا رشتہ ہے۔"

میں تین دن تک اس شخص کا مہمان رہا چوتھے دن اسنے کہا "حران کے اطراف میں میرے چار گاؤں ہیں اور یہ گاؤں ایسے ہیں کہ پورے علاقے میں انکی نظیر نہیں۔ خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہتا ہوں کہ آپ یہاں رہ جائیں تو سب گاؤں آپکی خدمت میں ہدیہ ہیں۔" میں نے جواب دیا "سب گاؤں مجھے دیدو گے تو خود تمہاری گذر بسر کیسے ہوگی؟" کچھ صندوقوں کیطرف اشارہ کر کے کہنے لگا "آپ وہ صندوق دیکھتے ہیں؟ ان میں چالیس ہزار درہم موجود ہیں۔ اس رقم سے کوئی تجارت کر لونگا۔" میں نے کہا "لیکن میں نے اپنا وطن محض تحصیل علم کیلئے چھوڑا ہے نہ کہ دولت کمانے کیلئے اسلئے مجھے یہاں اقامت پذیر ہو جانا منظور نہیں۔" اس پر اسنے کہا "بہت اچھا ہے تاہم مسافر کو روپیہ کی ضرورت ہوتی ہے گاؤں نہ سہی یہ ساری نقدی ہی قبول کر لیجئے۔" پھر اسنے وہ چالیس ہزار کی رقم میرے حوالے کر دی میں نے اسے خدا حافظ کہا اور حران سے اس عالم میں روانہ ہوا کہ آگے پیچھے بوجھ لدے ہوئے تھے راستے میں اصحاب حدیث ملے ان میں احمد بن حنبلؒ سفیان بن عیینہ اور اوزاعی بھی تھے میں نے ہر ایک کو اتنا نقد دیا جتنا کہ اسکے مقدر میں تھا

امام مالکؒ سے دوبارہ ملاقات

جب شہر رملہ پہنچا تو میرے پاس ان چالیس ہزار میں سے صرف چند دینار باقی تھے۔ میں نے کرایہ کی سواری لی اور حجاز کو روانہ ہوگیا۔ آخر ستائیسویں دن مدینۃ الرسول پہنچ گیا مسجد نبوی میں نماز پڑھی اب کیا دیکھتا ہوں لوہے کی ایک کرسی مسجد میں رکھی ہے کرسی پر قباطی مصر کا تکیہ رکھا ہوا ہے اور تکیہ پر لکھا ہے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

میں ابھی یہ دیکھ ہی رہا تھا کہ مالک بن انس آتے دکھائی دیئے پوری مسجد عطر سے مہک اٹھی امام مالکؒ کیساتھ چار سو یا اس سے بھی زیادہ کا مجمع تھا! امام مالکؒ اپنی مجلس میں پہنچے تو بیٹھے ہوئے سب آدمی کھڑے ہو گئے۔

امام مالکؒ کرسی پر بیٹھ گئے اور جراح عمد کا ایک مسئلہ پیش کیا مجھ سے نہ رہا گیا اور میں نے قریب کے آدمی کے کان میں کہا اس مسئلہ کا جواب یہ ہے اس شخص نے میرا بتایا ہوا جواب اونچی آواز سے سنا دیا۔ مگر امام مالکؒ نے اسکی طرف مطلق توجہ نہ کی اور شاگردوں کے جواب کے طالب ہوئے شاگردوں کے سب جواب غلط تھے! امام مالکؒ نے کہا تم غلطی پر ہو پہلے ہی آدمی کا جواب صحیح ہے یہ سن کر وہ جاہل جسکے کان میں میں نے جواب بتایا تھا بہت خوش ہوا امام مالکؒ نے دوسرا مسئلہ پیش کیا۔ جاہل میری طرف دیکھنے لگا۔ میں نے پھر جواب بتا دیا اس دفعہ بھی امام مالکؒ کے شاگرد جواب نہ دے سکے اور اس جاہل کی زبانی میرا ہی جواب ٹھیک نکلا۔ پھر تیسرے مسئلہ پر بھی یہی صورت پیش آئی تب امام مالکؒ اس جاہل کیطرف متوجہ ہوئے اور کہا "یہاں آؤ۔ وہ جگہ تمہاری نہیں ہے۔" یہ آدمی امام مالکؒ کے پاس پہنچا۔ تو انہوں نے سوال کیا "کیا تم نے موطا پڑھی ہے؟" جاہل نے جواب دیا "نہیں۔" امام مالکؒ نے پوچھا "ابن جریج کے علم پر تمہاری نظر ہے؟" اسنے پھر کہا "نہیں۔" امام مالکؒ نے پوچھا "جعفر بن محمد صادق سے ملے ہو؟" کہنے لگا "نہیں۔" اب تو امام مالکؒ کو تعجب ہوا کہنے لگے "پھر یہ علم تمہیں کہاں سے ملا؟" جاہل نے جواب دیا "میرے قریب ایک نوجوان بیٹھا تھا اور وہی مجھے ہر مسئلہ کا جواب بتاتا رہا تھا۔"

اب تو امام مالکؒ نے میری طرف گردن اٹھائی دوسروں کی گردنیں بھی اٹھ گئیں اور امام مالکؒ نے اس جاہل سے کہا "جاؤ اور نوجوان کو میرے پاس بھیجدو۔" میں امام مالکؒ کے پاس پہنچا اور اسی جگہ بیٹھ گیا جہاں سے جاہل اٹھا تھا وہ بڑے غور سے مجھے دیکھتے رہے پھر فرمایا "شافعی ہو؟" میں نے عرض کیا "جی ہاں شافعی ہوں۔" امام مالکؒ نے مجھے گھسیٹ کر سینے سے لگا لیا۔ پھر کرسی سے اتر پڑے اور کہا "علم کا جو باب ہم شروع کر چکے ہیں تم اسے

پورا کرو۔" میں نے تعمیل کی اور جراح محمد کے چار سو مسئلے پیش کئے مگر کوئی آدمی بھی جواب نہ دے سکا۔

اب سورج غروب ہو چکا تھا ہم نے مغرب کی نماز پڑھی اور امام مالکؒ نے میری پیٹھ ٹھونکی پھر اپنے گھر لے گئے پرانی عمارات کی جگہ اب نئی عمارت کھڑی تھی۔ میں بے اختیار رونے لگا۔ یہ دیکھ کر امام مالکؒ نے کہا "ابو عبداللہ! تم روتے کیوں ہو؟ شاید یہ سمجھ رہے ہو کہ میں نے دنیا کیلئے آخرت بیچ دی؟" میں نے جواب دیا "جی ہاں یہی اندیشہ دل میں پیدا ہوتا ہے" کہنے لگے "تمہارا دل مطمئن رہے تمہاری آنکھیں ٹھنڈی ہوں یہ جو کچھ دیکھ رہے ہو ہدیے ہیں خراسان سے مصر سے دنیا کے دور دراز گوشوں سے ہدیوں پر ہدیے چلے آ رہے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ قبول فرما لیتے تھے اور صدقہ رد کر دیتے تھے میرے پاس اسوقت خراسان کے مصر کے اعلیٰ کپڑوں کے تین سو خلعت موجود ہیں اب یہ سب میری طرف سے تمہارے لئے ہدیہ ہے صندوقوں میں پانچ ہزار دینار رکھے ہیں۔ انکی زکوٰۃ نکلی ہوئی ہے اس میں سے بھی آدھی رقم تمہاری ہے۔"

میں نے کہا "دیکھئے آپکے بھی وارث موجود ہیں اور میرے بھی وارث زندہ ہیں آپنے جو کچھ دینے کا وعدہ کیا ہے اسکی تحریر ہو جانا چاہیئے۔ تحریر سے میری ملکیت مسلم ہو جائیگی اگر میں مر گیا تو ان سبکو آپکے ورثاء نہ لے سکینگے بلکہ میرے وارثوں کو مل جائیگا اسی طرح اگر خدانخواستہ آپکی وفات ہو گئی تو یہ بھی آپکے وارثوں کا نہیں میرا ہو جائیگا۔" یہ سنکر امام مالکؒ مسکرائے اور فرمایا "بیٹا تم علم سے کام لیتے ہو۔" میں نے جواب دیا علم کے استعمال کا اس سے بہتر موقع اور کون سا ہو سکتا ہے؟"

صبح نماز فجر ادا کی اور مسجد سے ہم اس حال میں گھر لوٹے کہ میرا ہاتھ امام مالکؒ کے ہاتھ میں تھا اور امام مالکؒ کا ہاتھ میرے ہاتھ میں تھا دروازے پر کیا دیکھتا ہوں کہ خراسانی گھوڑے اور مصری خچر کھڑے ہیں میرے منہ سے نکل گیا ایسے خوبصورت گھوڑے میں نے آجتک نہیں دیکھے امام مالکؒ نے فوراً جواب دیا "یہ سب سواریاں بھی تمہارے ہدیے ہیں۔" میں نے عرض کیا "کم سے کم ایک جانور تو اپنے لئے رہنے دیجیے۔" اس پر امام مالکؒ نے جواب دیا "مجھے خدا سے شرم آتی ہے کہ اس زمین کو میری سواری اپنی ٹاپوں سے روندے جسکے اندر نبی صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما ہیں۔" یہ سنکر مجھے یقین ہو گیا کہ اس فراوانی میں بھی امام مالکؒ کا تقویٰ بدستور باقی ہے۔

وطن کی واپسی

تین دن امام مالکؒ کے گھر میں قیام رہا پھر میں مکہ کو روانہ ہو گیا مگر اس حال میں کہ خدا کی بخشی ہوئی خیر و برکت اور مال و متاع کے بوجھ آگے آگے جا رہے تھے میں نے ایک آدمی پہلے مکہ بھیج دیا تھا کہ واپسی کی خبر پہنچا دے۔

جب حدود حرم میں پہنچا تو والدہ کچھ عورتوں کیساتھ دکھائی دیں انہوں نے مجھے گلے لگایا۔ پھر ایک بڑی بی نے بھی گلے لگایا میں ان بی بی سے مانوس تھا اور انہیں خالہ کہا کرتا تھا۔ انہوں نے گلے لگاتے ہوئے یہ شعر پڑھا:۔

ما امك اجتاحت المنايا   كل فواد عليك ام

موت تیری ماں کو نہیں لے گئی   مامتا میں یہاں ہر دل تیری ماں ہے

یہ پہلی آواز تھی جو مکہ کی سرزمین پر میرے کانوں سے ٹکرائی پھر میں نے آگے بڑھنا چاہا والدہ کہنے لگیں "کہاں؟" میں نے کہا "گھر چلیں" بولیں "ہیہات کل تو مکہ سے فقیر کی صورت میں گیا تھا اور آج امیر بن کے لوٹا ہے تاکہ اپنے چچیرے بھائیوں پر گھمنڈ کرے" میں نے کہا "پھر آپ ہی بتائیں میں کیا کروں؟" کہنے لگیں "منادی کرا دے کہ بھوکے آئیں کھانا کھائیں، پیدل آئیں اور سواری لے جائیں، محتاج آئیں اور کپڑا پہن جائیں اس طرح دنیا میں بھی تیری آبرو بڑھے گی اور آخرت کا اجر بھی اپنی جگہ محفوظ رہے گا۔"

میں نے تعمیل حکم کی اس واقعہ کی شہرت دور دور پھیلی امام مالکؒ نے بھی سنا اور میری ہمت افزائی کی۔ کہلا بھیجا جتنا دے چکا ہوں اتنا ہی ہر سال تمہیں بھیجتا رہونگا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے اس وعدے کو پوری طرح نبھایا اور سالانہ میرے پاس وہ سب کچھ بھیجتے رہے جو مدینے میں انہوں نے مجھے دیا تھا گیارہ سال یہ سلسلہ جاری رہا یہانتک کہ انکا انتقال ہو گیا۔ رضی اللہ تعالیٰ +

(عبقریات)

رُوحانی احیاء کا صحیح طریق

قرآن مجید کے باوجود مرسل ربّانی کی ضرورت

"طلوع اسلام" کے سوالات کے جواب

(از جناب مولوی عبدالکریم صاحب پشاور)

قرآن مجید کا مطالعہ جن لوگوں نے بنظر تعمق کیا ہے وہ بخوبی جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ماسوا دنیا کی ہر ایک چیز تغیر پذیر ہے کبھی ظلمت کا دور ہوتا ہے اور کبھی خزاں کا۔ مگر بغیر آسمانی روشنی اور آسمانی پانی کے نہ ظلمت مٹ سکتی ہے اور نہ ہی موسم بہار اپنا جوبن دکھا سکتا ہے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قانون کی طرف بار بار انسانوں کو توجہ دلائی ہے۔

قرآن مجید کوئی علوم طبعی و ہیئت کی کتاب نہیں اللہ تعالیٰ کا بار بار اس قانون کی طرف توجہ لانے سے مقصد صرف یہ ہے کہ وہ انسان کے دل و دماغ میں یہ امر ذہن نشین فرمائے، کہ جس طرح انسان اپنی جسمانی زندگی میں پانی اور روشنی کا محتاج ہے بعینہٖ وہ اپنی روحانی زندگی کے قیام کے لئے آسمانی روشنی (وحی) اور پانی کا محتاج ہے چنانچہ سورۃ الطارق میں نہایت لطیف پیرایہ میں اس امر کا ذکر ہے۔ فرمایا:۔

وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ ○
وَمَا أَدْرٰكَ مَا الطَّارِقُ ○
النَّجْمُ الثَّاقِبُ ○ اِنْ كُلُّ
نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ○
فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ○
خُلِقَ مِنْ مَّاءٍ دَافِقٍ يَّخْرُجُ
مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ ○
اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ○
يَوْمَ تُبْلَى السَّرَائِرُ فَمَا لَهٗ
مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ○ وَالسَّمَاءِ
ذَاتِ الرَّجْعِ وَالْاَرْضِ ذَاتِ
الصَّدْعِ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ○
وَمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ○

یعنی یہ بلندی اور ستارے اس امر پر شاہد ہیں کہ ہر ایک چیز پر محافظ مقرر ہیں۔ پس وہ انسان جو اللہ تعالیٰ کے فیضان کا منکر ہے وہ غور کرے کہ ہم نے اس کی جسمانی پیدائش کس چیز سے کی ہے اسکو ہم نے اچھلنے والے پانی (نطفہ) سے پیدا کیا ہے زمین کی طرف آسمانی پانی کا رجوع کرنا اور زمین سے اس کے ذریعے روئیدگیوں کا نکلنا اس پر شاہد ہے کہ جب انسان پر روحانی طور پر مردنی چھا جاتی ہے

تو آسمانی پانی (کلام الٰہی) سے ہی اس کو زندہ کیا جاتا ہے۔ وہ پانی زندگی کی طاقت اپنے اندر رکھتا ہے ہم کلام الٰہی کو عین ضرورت کے وقت نازل کرتے ہیں۔ جو لوگ اس کلام کے خلاف تدابیر کرتے ہیں ہم ان کو تھوڑی سی مہلت دیکر ہلاک کر دیں گے۔ کیونکہ وہ مخلوق کو اپنی باطل تدابیر سے ہلاک کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے سورۃ شوریٰ میں بھی فرمایا کہ دنیا میں جب بھی تفرقہ اور فساد برپا ہوتا ہے ہم نبیوں کے ذریعہ اس تفرقہ کو مٹاتے ہیں مگر وہ لوگ جو فرقہ پرست (یعنی تفرقہ کے بانی و مبانی) ہوتے ہیں ان پر نبیوں کی دعوت ناگوار اور گراں گذرتی ہے۔ کیونکہ وہ اپنی قابلیت علمی پر نازاں ہوتے ہیں فرمایا۔

شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا
وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي
أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا
بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ
أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا
تَتَفَرَّقُوا فِيهِ ۚ كَبُرَ عَلَى
الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ
إِلَيْهِ ۚ اللَّهُ يَجْتَبِي إِلَيْهِ
مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ
مَن يُنِيبُ ○ (الشوریٰ ۴۲)

اللہ تعالیٰ کی یہ سنت قدیمہ ہے کہ وہ صاحب وحی انسانوں کے ذریعہ دنیا سے تفرقہ اور فساد مٹاتا ہے مگر بدقسمتی سے ہر زمانہ میں خودی کے علمبردار کہتے رہے کہ :-

مَا أَنزَلَ اللَّهُ عَلَىٰ بَشَرٍ مِّن شَيْءٍ (۶/۹۱)

کہ اللہ تعالیٰ کسی انسان پر اپنا کلام نازل نہیں کرتا چنانچہ اس زمانہ میں بھی کہا جاتا ہے کہ وحی کی ضرورت انسان کو اس وقت تک تھی کہ جب تک اس کی خودی پختہ نہ تھی۔ سہاروں کی ضرورت صغر سنی کے زمانہ میں ہوتی ہے۔ اب انسان کو اللہ تعالیٰ کی وحی کی ضرورت نہیں۔ وہ صرف اپنی عقل سے ہی تمام امور کا فیصلہ کر سکتا ہے جناب پرویز صاحب اگرچہ کہتے ہیں کہ وحی قدیم کی تو انسان کو اس وقت بھی ضرورت ہے لیکن جدید وحی کی کوئی ضرورت نہیں۔ مگر اقبال مرحوم کے جو شیدائی ہیں وہ کہتے ہیں کہ نہ انسان کو وحی قدیم کی ضرورت ہے اور نہ ہی جدید کی یہی امر ختم نبوت کا منشا ہے۔

(تحریک احمدیت جعفر خان ایڈووکیٹ) پرویز صاحب نے اپنے رسالہ "طلوع اسلام" میں ایک مقالہ جنوری ۱۹۵۰ء کے پرچہ میں شائع کیا ہے جس کا عنوان ہے کہ :-

"فرقے کس طرح مٹ سکتے ہیں؟"

پرویز صاحب کہتے ہیں کہ :-

(۱) "قرآن نے حضور کو خاتم النبیین کہا ہے یعنی نبوت آپ کی ذات پر ختم ہو گئی .... نبوت کے معنے خدا کی طرف سے وحی پانا۔"

(۲) "لیکن رسالت آپ کے (نبی کریم) بعد بھی جاری ہے .... اور رسالت سے مراد ہے اس وحی کو آگے پہنچانا" اور اس کے مطابق نظام قائم کرنا۔ متنازعہ فیہ امور میں فیصلے دینا۔ وغیرہ وغیرہ"

(صفحہ ۲۰)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :۔

کیف تکفرون وانتم تتلیٰ
علیکم ایٰت اللہ وفیکم
رسولہ ۔ (۳/۱۰۱)

تم کس طرح کفر (تفرقہ) اختیار کر سکتے ہو جبکہ تم پر اللہ تعالیٰ کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں اور اللہ کا رسول تم میں موجود ہے ۔

پرویز صاحب کہتے ہیں کہ اس آیت سے

(۳) " مراد رسول اللہ کی طبعی زندگی نہیں آپ کی وفات کے بعد بھی یہ سلسلہ (رسالت) بدستور باقی رہ سکتا ہے "

(۴) " کسی کے جانشین کی موجودگی خود اسکی اپنی موجودگی ہوتی ہے ۔ (جب صحابہؓ نے خلیفۃ الرسول کا انتخاب کیا") اسطرح امت میں قرآن اور رسول بدستور موجود رہا " (ص۲۰)

(۵) " امت اپنے میں سے بہترین فرد کو اپنا نمائندہ بنا کر اس سلسلہ (رسالت) کو قائم رکھتی ہے ۔ اس طرح امت میں "کتاب اور رسول" بدستور باقی رہتے ہیں۔ ان کی موجودگی میں اختلافات کے رونما اور فرقوں کے پیدا ہونے کا امکان ہی نہیں رہتا ۔ چنانچہ تاریخ اس پر شاہد ہے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے زمانے میں نہ کوئی اختلاف پیدا ہوا نہ کسی فرقے نے جنم لیا ۔" (ص۲۱)

پھر فرماتے ہیں کہ "مرکزی اتھارٹی"

(۶) " اگر کوئی جماعت امت سے اختلاف کرے گی تو رسول کا جانشین قرآن کے اس حکم کے تحت کہ انّ الذین فرقوا دینھم وکانوا شیعاً لست منھم فی شیٔ ۔

...... اعلان کر دے گا کہ امت کو اس نئے فرقہ سے کوئی سروکار نہیں لہٰذا وہ امت کا فرقہ کہلا ہی نہیں سکے گا ۔ اسے مسلمانوں سے کچھ واسطہ ہی نہیں رہے گا ۔ وہ اسلام کے دائرہ سے خارج ہو گا اس لئے امت امت واحدہ ہی رہے گی ۔" (ص۲۱)

الغرض یہ وہ ترکیب ہے جس کے ذریعہ بقول پرویز " فرقے ..... مٹ سکتے ہیں ۔" مگر جناب پرویز صاحب بزعم خود علم قرآن کے اجارہ دار ہیں ! اور بقول ان کے حاشیہ نشینوں کے قرآنی مشکلات کا حل اس زمانہ میں وہی کر سکتے ہیں ۔ حالانکہ انہوں نے من مانی تاویلات کے بل بوتے پر جو صغریٰ و کبریٰ تیار کیا ہے سراپا غلط ہے پرویز صاحب نے جو کچھ لکھا ہے وہ اس صورت میں [illegible] کیا جا سکتا ہے جب دنیا میں ایک [illegible] اعلیٰ نمونہ اور قوت قدسی کے ذریعہ ایسی جماعت تیار کرے جس قسم کی جماعت صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تھی جن کی یہ شان تھی کہ ایمان کی محبت انکے دلوں میں پیدا کی گئی تھی اور وہ ان کو دنیا کی ہر چیز سے محبوب تر دکھائی دیتا تھا ۔ کفر و فسوق اور عصیان سے ان کے دلوں میں کراہت اللہ تعالیٰ کے فضل و اس کی رحمت سے پیدا ہو گئی تھی

وہ رشد و سعادت کو حاصل کر چکے تھے۔ (۴۹/۸)
مگر جس وقت کہ ایک امت تفرقہ کا شکار ہو کر کفر کی مرض میں گرفتار رہو۔ اور ان کے علماء اور مفتی، لیڈر وغیرہ سب کے سب فسق و فجور میں غرق ہوں (الا ماشاء اللہ) اور خلافت راشدہ کا نظام ختم ہو چکا ہو تو اس وقت از سر نو خود بخود خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا قیام ناممکن ہے۔ جب تک اللہ تعالیٰ پھر ایک نبی کو مبعوث نہ فرمائے۔ پرویز صاحب کا یہ کہنا کہ:-

"اس کتاب کی وراثت کے لئے اپنے بندوں میں سے منتخب کر لیا ہے"

صریح دھوکہ ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے (۲۵/۳۱-۳۲) میں فرمایا ہے:-

والذی اوحینا الیک من
الکتٰب ھو الحق مصدقًا
لما بین یدیہ ط ان اللہ
بعبادہٖ لخبیرٌ بصیر ۝
ثم اورثنا الکتٰب الذین
اصطفینا من عبادنا فمنھم
ظالمٌ لنفسہٖ ومنھم
مقتصدٌ ومنھم سابقٌ
بالخیرٰت باذن اللہ ذٰلک
ھو الفضل الکبیر (۳۵/۳۱)

یعنی اللہ تعالیٰ نے ایک کتاب ایک رسول پر بذریعہ وحی نازل کی۔ اس نبی کے ذریعہ جو اللہ تعالیٰ کے بندوں کی ایک جماعت تیار ہوئی۔ ان میں سے اللہ تعالیٰ نے بعض کو اپنی کتاب کا (یعنی اس کے علوم کا) وارث بنایا ہے۔ بعض ان میں سے نیکی کے اعلیٰ مقام پر ہیں اور بعض میانہ رو ہیں بعض

اپنی جان کو خطرات میں ڈال کر بھی صداقت کا ساتھ دیتے ہیں۔

الغرض! یہ بات خدا کی سنت قدیمہ کے سراسر خلاف ہے کہ جب دنیا میں ظلمت کا دور دورہ ہو اور ایک امت میں انتہائی فساد برپا ہو چکا ہو۔ پھر وہ خود اپنے قیاس اور اجتہاد سے امت کی روحانی اصلاح یا روحانی احیاء کر سکے۔

اگر محض انسانی تدابیر سے کوئی نظام روحانی قائم رہ سکتا ہے یا قائم کیا جا سکتا ہے تو پھر خلفاء راشدین کے زمانہ کے بعد کیوں وہ نظام قائم نہ رہ سکا؟ اور کیوں ان میں تفرقہ پیدا ہوا۔ مختلف فرقے (شیعہ، خوارج وغیرہ) پیدا ہو گئے۔ پرویز صاحب کا یہ کہنا کہ "حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانہ میں نہ کوئی اختلاف ہوا اور نہ کسی فرقہ نے جنم لیا" اس کی وجہ وہ نظام نہ تھا بلکہ وہ لوگ تھے جن کی تربیت نور نبوت کی وجہ سے ہوئی تھی۔ جس وقت ان کی تعداد حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت کے آخری ایام میں تھوڑی سی رہ گئی اور کثیر حصہ عوام الناس کا اسلام میں داخل ہو گیا تو پھر وہی فساد پیدا ہو گیا۔ اگر صرف عمدہ نظام ہی لوگوں کو امت واحدہ بنا سکتا ہے تو فرمائیے کہ حضرت عثمانؓ کے اور حضرت علیؓ کے زمانہ میں آپ کے بیان کے مطابق کیوں تفرقہ اور فساد پیدا ہو گیا؟

پرویز صاحب کا یہ کہنا کہ اگر ہم یہ کہیں کہ "قرآن مجید کی موجودگی میں فرقے مٹ نہیں سکتے" تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ (معاذ اللہ)

قرآن میں اب اس کی صلاحیت نہیں کہ وہ اختلافات کو مٹا سکے۔" ان کی یہ بات صرف ایک جذباتی نعرہ ہے۔ قرآن کریم کی یہ صلاحیت اس وقت نمایاں ہوتی ہے جب اس کے ساتھ ایک ایسا انسان ہو جو خدا کی وحی کا حامل ہو اور اس کا عملی نمونہ بھی اس کے ساتھ ہو۔ بغیر کسی نبی کے تو محض قرآن ہرگز وہ انقلاب پیدا نہیں کر سکتا جو عرب کی سرزمین میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ برپا ہوا تھا۔ یہ ایک واقعاتی بات ہے۔ اس کا انکار کرنا محض جہالت ہے۔

جب بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی صاحب وحی بندہ مبعوث ہوتا ہے تو اسی رنگ کے نتائج نکلتے ہیں جو آج سے چودہ سال پہلے نکلے تھے۔

پرویز صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

"ایک عمدہ نظام میں پارٹیوں کو آسانی سے ختم کیا جا سکتا ہے۔ اصل دشواری مذہبی فرقوں کے مٹانے میں پیش آتی ہے۔"

سیاسیات میں ان کا یہ اصول تسلیم کیا جا سکتا ہے مگر مذہبی معاملات میں اول تو تشدد سے بھی اس امر میں کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔ گو وقتی طور پر لوگوں کے خیالات کو دبایا جا سکتا ہے۔ دوم یہ امر قرآن کریم کے اصول کے خلاف ہے۔ فرمایا:۔

لا اکراہ فی الدین

دین میں کسی قسم کا جبر جائز نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی سنت قدیمہ کے تحت اس زمانہ میں ایک ایک مرسل مبعوث فرمایا ہے۔ جس نے ایک منظم جماعت تیار کی ہے۔ اور وہ دنیا میں ایک تناور درخت بن چکی ہے۔ مبارک وہ لوگ ہیں جو اس کے سایہ تلے آکر آرام کرتے ہیں۔

یہی الٰہی تدبیر ہے۔ اس کے مقابلہ میں جو لوگ اپنی تدابیر سیئہ سے اس سلسلہ کو مٹانے اور اس کو حقیر بنانے کی کوشش کرتے ہیں وہ ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ کوئی چیز دنیا میں قائم نہیں ہو سکتی جب تک آسمان سے اس کے قیام کا فیصلہ نہ ہو۔

کفارہ کی حقیقت (بقیہ صد ۴۲)

اس کا نام بھی نہیں لیا۔ اور صرف اتنا کہا ہے کہ:۔

"پس خداوند یہوواہ کہتا ہے کہ اے بنی اسرائیل میں ہر ایک کی روش کے مطابق تمہاری عدالت کروں گا۔ توبہ کرو اور اپنی ساری بدکاریوں سے باز آؤ تاکہ بدکاری تمہاری ہلاکت کا باعث نہ ہو۔ سارے بڑے کام جنہیں کر کے تم گنہگار ہوئے آپ سے جُدا کر پھینکو اور اپنے لئے ایک نیا دل اور نئی رُوح پیدا کرو۔ کاہے کو تم جو اسرائیل ہو مرو گے کہ خداوند یہوواہ کہتا ہے کہ مجھے اس کے مرنے سے جو مرتا ہے شادمانی نہیں۔ اس لئے پھرو اور جیتے رہو۔" (حزقیل ۱۸ ۳۰-۳۲)

نو مسیح نے اپنے پہاڑی وعظ میں اس امر کی وضاحت

کفّارہ کی حقیقت

پادری ڈبلیو گولڈسیک کے رسالہ "الکفّارہ" کا جواب

[پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی نے پادری گولڈسیک صاحب کا تحریر کردہ "الکفارہ" نامی ایک ٹریکٹ شائع کیا ہے جس میں عیسائیوں کے عقیدہ "کفارہ" کو درست ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ شعبہ نشر و اشاعت صدر انجمن احمدیہ ربوہ نے ایک علیحدہ رسالہ کی صورت میں اس ٹریکٹ کا نہایت معقول، ٹھوس اور مدلّل جواب شائع کیا جس کا ایک حصہ افادۂ عام کی غرض سے ذیل میں درج کیا جاتا ہے ——— (ادارہ)]

عیسائی پادریوں کے شائع کردہ لٹریچر میں سے ایک کتابچہ "الکفّارہ" ہمارے سامنے ہے جس کا ردّ اس وقت ہمیں مقصود ہے اس کے مصنّف پادری ڈبلیو گولڈسیک ہیں اور اسے پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی لاہور نے شائع کیا ہے اس کتابچہ میں مصنّف نے عیسائیوں کے اس مایۂ ناز اور بنیادی مسئلہ کی وضاحت کی ہے کہ یسوع مسیح نے صلیب پر جان دیکر کس طرح تمام بنی نوع انسان کی نجات کا سامان کیا ہے اور ساری دنیا کے اگلے پچھلے گناہ معاف کرا دیئے ہیں نجات کے اسی آسان ذریعہ کا لالچ دیکر مصنّف نے بحیثیت ایک عیسائی مبلّغ ہونے کے مسلمانوں کو بھی تلقین کی ہے کہ وہ اپنے دلی سکون اور اطمینان کے لئے اسی درخت کے سایہ تلے پناہ لیں اور کفّارہ پر ایمان لا کر نجات ابدی حاصل کریں۔

کفّارہ عیسائیت کا ایک بنیادی مسئلہ

کفّارہ عیسائیت کا جس قدر بنیادی اور اہم مسئلہ ہے اسی قدر بودا اور مضحکہ خیز اور خلافِ عقل و نقل ہے مصنّف نے بیشک بڑی چابکدستی اور ہوشیاری کے ساتھ سادہ لوح لوگوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے لیکن اگر اس کے تمام دعاوی اور دلائل کا معمولی سا تجزیہ بھی کیا جائے تو کفّارہ کے مسئلہ کی یہ ساری عمارت جس پر دراصل موجودہ عیسائیت کی عمارت استوار ہے دھڑام سے نیچے آ گرتی ہے

کفّارہ کیا ہے؟

یہ امر واضح ہے کہ کفّارہ عیسائیوں کا ایک بنیادی عقیدہ ہے اس کے لفظی معنی ڈھانکنے اور چھپانے کے ہیں۔ اور اب اصطلاح میں اس مفہوم کو ادا کرتا ہے کہ یسوع مسیح نے صلیب پر

جان دیکر تمام بنی آدم کے گناہوں کو چھپا لیا ہے اور ان کے لئے نجات کی راہ کھول دی ہے۔

عیسائیوں کے نزدیک تمام بنی آدم گنہگار ہیں اور آدم نے جو گناہ کیا تھا اور جس کی پاداش میں انہیں جنت سے نکال دیا گیا تھا وہ ورثتاً وہ ہر شخص کی فطرت میں چلا آرہا ہے جس کی وجہ سے ہر شخص گناہ آلودہ اور گناہ گار ہے اور چونکہ عیسائیوں کے نزدیک نیک اعمال بھی انسان کی نجات کا موجب نہیں ہو سکتے اور اللہ تعالیٰ اگر گنہگار بندے کو اس کی توبہ اور استغفار پر معاف کر دے تو اس کا یہ رحم اس کے عدل کے خلاف ہے اور دوسری طرف بندے کی نجات کا ہونا بھی بہرحال ضروری ہے اس لئے اس کا فقط یہی ذریعہ ہے کہ کوئی پاک اور بے عیب اور معصوم نجات دہندہ اپنی جان کی قربانی دیکر سارے جہان کے گناہوں کی تلافی کر دے۔ چنانچہ اسی مقصد کے لئے یسوع مسیح نے صلیب پر چڑھ کر اپنی جان کی قربانی دی اور یوں سارے اگلے اور پچھلے انسانوں کے گناہوں کا کفارہ ہوا۔

پہلا غلط مفروضہ اس مسئلہ کے اثبات کے لئے مصنف نے یہ رسالہ لکھا ہے اور عموماً انہی مفروضات کو ذرا تفصیل کے ساتھ پیش کیا ہے جن کا مختصراً ذکر ہم کر چکے ہیں لیکن جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں مصنف نے سوائے سادہ لوح لوگوں کو دھوکہ دینے اور منطق کی بھول بھلیوں میں پھنسانے کے اور کوئی کوشش نہیں کی مثلاً سب سے پہلے مصنف نے اسی مفروضہ کو پیش کیا ہے اور دعویٰ کیا ہے کہ مسلمان اور مسیحی اس پر متفق ہیں کہ

"تمام بنی آدم گنہگار ہیں"

حالانکہ خود بائیبل اس کے خلاف ہے اور وہ کئی ایسے لوگوں کی مثالیں پیش کرتی ہے جو مسیح کے کفارہ کے اس ڈھونگ سے بہت پہلے گذر چکے ہیں اور وہ گناہ سے محفوظ تھے بلکہ بائیبل کے الفاظ میں نہایت معصوم، راستباز اور خدا کے ساتھ ساتھ چلنے والے تھے چنانچہ پیدائش $\frac{۵}{۲۲-۲۳}$ میں حنوک کے متعلق ذکر آتا ہے کہ:-

"حنوک کی ساری عمر تین سو پینسٹھ برس کی ہوئی اور حنوک خدا کے ساتھ ساتھ چلتا تھا۔"

پھر نوح کے متعلق لکھا ہے کہ:-

"نوح اپنے زمانہ میں صادق اور کامل تھا اور نوح خدا کے ساتھ ساتھ چلتا تھا" (پیدائش $\frac{۶}{۹}$)

پھر ایوب کے بارے میں آتا ہے کہ:-

"عوض کی سرزمین میں ایوب نامی ایک شخص تھا اور وہ شخص کامل اور صادق تھا۔ اور خدا سے ڈرتا اور بدی سے دور رہتا تھا" (ایوب $\frac{۱}{۱}$)

پھر یوحنا جس نے یسوع مسیح کو گناہوں سے پاک کر کے بپتسمہ دیا تھا اس کے متعلق پیشگوئی کے طور پر یہ الفاظ تھے کہ:-

"بہت سے لوگ اس کی پیدائش کے سبب خوش ہوں گے کیونکہ وہ خدا کے حضور میں بزرگ ہوگا اور ہرگز نہ مے نہ کوئی اور شراب پئے گا اور اپنی ماں کے پیٹ ہی سے روح القدس سے بھر جائے گا۔"

اور پھر خود یوحنا کے والد اور والدہ کے متعلق انجیل بہ بانگِ بلند اس امر کا اعتراف کرتی ہے کہ :-

"وہ دونو خدا کے حضور راستباز
اور خداوند کے سارے حکموں اور
قانونوں پر بے عیب چلنے والے
تھے۔" (لوقا $\frac{1}{6}$)

یہ تمام مثالیں اس امر کے ثابت کرنے کے لئے یقیناً کافی ہیں کہ تمام بنی آدم گنہگار نہیں تھے۔ اگر ایسا ہی تھا تو یقیناً بائبل انہیں خدا تعالیٰ کے تمام حکموں اور قانونوں پر بے عیب چلنے والے نہ ٹھہراتی۔ نیز وہ راستباز اور صادق اور کامل نہ ہوتے پس جب یہ امر صحیح ہو جاتا ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ ہر انسان گنہگار ہی ہو۔ بلکہ مسیح سے پہلے بھی راستباز نیک اور گناہ سے پاک لوگ گذرے ہیں تو ظاہر ہے کہ مسئلہ کفارہ کو پیش کرنے کے لئے عیسائی پادریوں کی پہلی بنیاد ہی ختم ہو جاتی ہے اور کفارہ کی ضرورت باطل ہو کر رہ جاتی ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ عیسائی تعلیم کی رُو سے آدم نے جو گناہ کیا تھا عیسائیوں کے نزدیک اُس کا اثر آج تک انسان کی نسل میں چلا آ رہا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ یہ اثر نطفہ کے ذریعہ منتقل ہوتا آ رہا ہے اور مسیح اسی لئے بِن باپ پیدا کئے گئے تھے کہ انہیں گناہ کے اس اثر سے محفوظ رکھنا مقصود تھا لیکن عیسائیوں نے کبھی اس پہلو پر غور کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ کہ اگر ان کا یہی فلسفہ درست ہے تو پھر یسوع مسیح سب سے زیادہ گناہ گار ٹھہرتے ہیں۔ اور تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ انکے علیہ میں باقی نسل انسانی کی نسبت گناہ کے اثرات بہرحال زیادہ تھے اسلئے کہ خود عیسائی نظریات کے مطابق اصل گناہ حوا یعنی عورت نے کیا تھا اور مرد محض اسکے بہلاوے میں آ کر مجرم بنا تھا گویا اصل گناہ کی مرتکب درحقیقت عورت ہی تھی اور مرد کا اس میں اتنا دخل نہیں تھا لیکن یسوع مسیح کی پیدائش کسی مرد کے توسل کے بغیر تنہا عورت کے پیٹ سے ہوئی گویا گناہ کا جو اصل منبع اور سرچشمہ تھا مسیح سراسر اس میں سے نکلا اور اگر یہ ممکن بھی تھا کہ کسی مرد کی شراکت سے عورت کے گناہ کی شدت گھٹ جاتی اور وہ بجائے ایک کے دو افراد میں تقسیم ہو جاتا تو ایسا بھی نہ ہوا۔ پس اگر محض اسی وجہ سے تمام بنی آدم کو گناہ گار ٹھہرانا مقصود ہے کہ آدم و حوا کا گناہ ان سب میں ورثتاً چلا آ رہا ہے تو مسیح جو حوا کی بیٹی مریم سے پیدا ہوا تھا۔ وہ یقیناً سب سے زیادہ بلکہ خالص گناہ کے چشمہ سے نکل کر کلیتاً گناہ گار تھا اور اس کیلئے بھی کفارہ کی اُسی طرح ضرورت تھی جس طرح آج عیسائی پادری دوسرے لوگوں کیلئے ثابت کر رہے ہیں۔

ہم ضمناً یہاں اس امر کی بھی تردید کر دینا چاہتے ہیں کہ عیسائیوں کا یہ فرض کرنا بھی بالکل غلط اور بے حقیقت ہے کہ چونکہ آدم حوا نے گناہ کیا تھا۔ اسلئے اب انکی نسل میں بھی گناہ کا سلسلہ بدستور چلا آ رہا ہے۔ بائیبل خود اس امر میں ہماری تائید کرتی ہے اور کہتی ہے کہ :-

"ان دنوں میں یہ پھر نہ کہا جائے گا
کہ باپ دادوں نے کچے انگور کھائے
اور لڑکوں کے دانت کھٹے ہوگئے
کیونکہ ہر ایک اپنی بدکاری کے
سبب مرے گا۔ ہر ایک جو کچے
انگور کھاتا ہے اسی کے دانت
کھٹے ہوں گے۔" (یرمیاہ $\frac{31}{29-30}$)

حضرت مسیح موعود علیہ السّلام اپنے اخلاق میں کامل تھے

(حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب رضی اللہ عنہ کے قلم سے)

مرسلہ جناب سید محمد حسین شاہ صاحب

(۱) آپ نہایت رؤف رحیم تھے۔ مہمان نواز تھے۔ اشجع الناس تھے۔ ابتلاؤں کے وقت جب لوگوں کے دل بیٹھے جاتے تھے آپ شیر نر کی طرح آگے بڑھتے تھے۔ عفو، چشم پوشی، فیاضی، دیانت، خاکساری، صبر، شکر، استغناء، حیا، غضِ بصر، عفت، محنت، قناعت، وفاداری، بے تکلفی، سادگی، شفقت، ادبِ الٰہی، ادبِ رسولؐ و بزرگانِ دین، حلم، میانہ روی، ادائیگی حقوق، ایفائے وعدہ، چستی، ہمدردی، اشاعتِ دین، تربیت، حسنِ معاشرت، مال کی نگہداشت، وقار، طہارت، زندہ دلی، مزاح، رازداری، غیرت، احسان، حفظِ مراتب، حسنِ ظنی، ہمت اور اولوالعزمی، خودداری، خوش روئی اور کشادہ پیشانی، کظمِ غیظ، کفِ ید و کفِ اللسان، ایثار، معمور الاوقات ہونا، انتظام، اشاعتِ علم و معرفت، خدا اور اس کے رسول کا عشق، کامل اتباعِ رسولؐ، یہ مختصر آپ کے اخلاق و عادات تھے۔

(۲) آپ میں ایک مقناطیسی جذب تھا، ایک عجیب کشش تھی، رعب تھا، برکت تھی، موانست تھی، بات میں اثر تھا، دعا میں قبولیت تھی، خدام پروانہ وار حلقہ باندھ کر آپ کے پاس بیٹھتے تھے اور دلوں سے خود بخود زنگ دھل جاتا تھا۔

(۳) بے صبری، کینہ، حسد، ظلم، عداوت، گندگی، حرصِ دنیا، بدخواہی، پردہ دری، غیبت، کذب، بے حیائی، ناشکری، تکبر، کم ہمتی، بخل، ترش روئی و کج خلقی، بزدلی، چالاکی، فحشاء، بغاوت، عجز، کسل، ناامیدی، تفاخر، ناجائز دل دکھانا، استہزاء، تمسخر، بدظنی، بے غیرتی، تہمت لگانا، دھوکا، اسراف، تبذیر، بے احتیاطی، چغلی، لگائی بجھائی، بے استقلالی، لجاجت، بے وفائی، لغویات یا فضولیات میں انہماک، ناجائز بحث و مباحثہ، بدخودی، کن رسی، افشائے عیب، گالی، ایذارسانی، سفلہ پن، ناجائز طرفداری، خود بینی، کسی کے دکھ میں خوشی محسوس کرنا، وقت کو ضائع کرنا، ان باتوں سے آپ کوسوں دور بھاگتے تھے۔

(۴) آپ فصیح و بلیغ تھے، نہایت عقلمند تھے، دور اندیش تھے، سچے تارک الدنیا تھے۔ سلطان القلم تھے۔ اور حسبِ ذیل باتوں میں آپ کو خصوصیت تھی:-

خدا اور اس کے رسول کا عشق، شجاعت، محنت، توحید و توکل علی اللہ، مہمان نوازی،

خاکساری - اور نمایاں پہلو آپ کے اخلاق کا یہ تھا کہ کسی کی دل آزاری کو نہایت ہی ناپسند فرماتے تھے - اگر کسی دوسرے کو بھی ایسا دیکھ پاتے تو منع کرتے۔

(۵) آپ نماز باجماعت کی پابندی کرنے والے تہجد گزار اور دعا پر بے حد یقین رکھنے والے سوائے مرض یا سفر کے ہمیشہ روزہ رکھنے والے سادہ عادات والے سخت مشقت برداشت کرنے والے اور ساری عمر جہاد میں گذارنے والے تھے۔

(۶) آپ نے انتقام بھی لیا ہے - آپ نے سزا بھی دی ہے - آپ نے جائز سختی بھی کی ہے - تادیب بھی فرمائی ہے - یہانتک کہ تادیباً بعض دفعہ بچہ کو مارا بھی ہے - ملازموں کو یا بعض غلط کار لوگوں کو نکال بھی دیا ہے - تقریر و تحریر میں سختی بھی کی ہے - عزیزوں سے قطع تعلق بھی کیا ہے - بعض خاص صورتوں میں غیر معمولی نرمی کی اجازت بھی دی ہے - بعض وقت سلسلہ کے دشمنوں کی پردہ دری بھی کی ہے (مثلاً مولوی محمد حسین بٹالوی کے مہدی کے انکار کا خفیہ پمفلٹ)۔ بددعا بھی کی ہے - مگر اس قسم کی ہر ایک بات ضرورتاً اور صرف رضائے الٰہی اور دین کے مفاد کے لئے کی ہے نہ کہ ذاتی غرض سے - آپ نے جھوٹے کو جھوٹا کہا - جنہیں لئیم یا زنیم لکھا وہ واقعی لئیم یا زنیم تھے اور جن مسلمانوں کو غیر مسلم لکھا وہ واقعی غیر مسلم بلکہ اسلام کے حق میں غیر مسلموں سے بڑھ کر تھے - مگر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ آپ کے رحم اور عفو اور نرمی اور حلم والی صفات کا پہلو بہت غالب تھا - یہانتک کہ ان کے غلبہ کی وجہ سے دوسرا پہلو عام حالات میں نظر بھی نہیں آتا تھا - آپ کو کسی نشے کی عادت نہ تھی - کوئی لغو حرکت نہ کرتے تھے - کوئی لغو بات نہ کرتے تھے - خدا کی عزت اور دین کی غیرت کے آگے کسی کی پرواہ نہیں کرتے تھے - آپ نے ایک دفعہ علانیہ ذب تہمت بھی کیا - ایک خونخوار دشمن پر مقدمہ کی توجیہ پڑا تو آپ نے اس کی درخواست پر اسے معاف کر دیا - ایک فریق نے آپ کو قتل کا الزام لگا کر پھانسی دلانا چاہا مگر حاکم پر حق ظاہر ہو گیا - اور اس نے آپ کو کہا کہ آپ ان پر قانوناً دعویٰ کر کے سزا دلا سکتے ہیں - مگر آپ نے درگذر کیا - آپ کے وکیل نے آپ کے دشمن پر اس کے نسب کے متعلق جرح کرنی چاہی مگر آپ نے اسے روک دیا - غرضیکہ آپ نے اخلاق کا وہ پہلو دنیا کے سامنے پیش کیا جو معجزانہ تھا - سراپا حسن تھے - سراپا احسان تھے اور کسی شخص کا مثیل آپ کو کہا جا سکتا ہے تو وہ صرف محمد رسول اللہ ہے صلی اللہ علیہ وسلم اور بس۔

آپ کے اخلاق کے اس بیان کے وقت قریباً ہر خُلق کے متعلق میں نے دیکھا کہ میں اس کی مثال بیان کر سکتا ہوں - یہ نہیں کہ میں نے یوں ہی کہہ دیا ہے میں نے آپ کو اس وقت دیکھا جب میں دو برس کا بچہ تھا - پھر آپ میری ان آنکھوں سے اس وقت غائب ہوئے جب میں ۲۷ سال کا جوان تھا - مگر میں خدا کی قسم کھا کر بیان کرتا ہوں کہ میں نے آپ سے بہتر، آپ سے زیادہ خلیق، آپ سے زیادہ بزرگ آپ سے زیادہ اللہ اور رسول کی محبت میں غرق کوئی شخص نہیں دیکھا - آپ ایک نور تھے جو انسانوں کیلئے دنیا پر ظاہر ہوا -

(باقی صفحہ ۳۵ پر)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صورت و سیرت کی ایک جھلک

حضرت مولانا حکیم نور الدین ۔ مولانا ابو النصر آہ برادر مولانا ابو الکلام صاحب آزاد اور جناب سیٹھ عبد الرحمٰن صاحب مدراسی کے تأثرات!

جناب مولوی شریف احمد صاحب امینی مبلغ انچارج مدراس کے قلم سے

حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مسیح موعود اور مہدی مسعود کے منصب پر سرفراز فرمایا سنّتِ انبیاء و ماموریں کے مطابق آپ کی مخالفت ہونا ضروری امر تھا۔ اس عظیم الشان منصب کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے آپ کو با معجزہ اخلاق و شمائل، اعلیٰ دکریا اور من کو موہ لینے والے اوصاف کا حامل بنایا تھا اور جہاں تک آپ کے حلیہ کا تعلق ہے آپ ایک اعلیٰ درجہ کے مردانہ حسن کے مالک تھے۔ اور فی الجملہ آپ کی شکل ایسی وجیہہ اور دلکش تھی کہ دیکھنے والا اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا تھا۔ آپ کا چہرہ کتابی تھا اور رنگ سفیدی مائل گندمی تھا اور خط و خال نہایت متناسب تھے۔ سر کے بال بہت ملائم اور سیدھے تھے۔ مگر بالوں کے آخری حصہ میں کسی قدر خوبصورت خم پڑتا تھا۔ داڑھی گھنی تھی مگر رخسار بالوں سے پاک تھے قد درمیانہ تھا اور جسم خوب سڈول اور متناسب تھا۔ اور ہاتھ پاؤں بھرے بھرے اور ہڈی فراخ اور مضبوط تھی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام میں دو خلق نمایاں نظر آتے تھے۔ اوّل اپنے خدا داد مشن پر کامل یقین اور دوسرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بے نظیر عشق و محبت۔ یہ دو اوصاف آپ کے اندر اس کمال کو پہنچے ہوئے تھے کہ آپ کے قول و فعل اور ہر حرکت و سکون میں ان کا ایک پُر زور جلوہ نظر آتا تھا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ کے بعد علماء اور سجادہ نشینوں کی مخالفت اور فتاویٰ کفر کے باوجود ہزاروں لوگ آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ آپ کی سیرت و صورت کو قریب رہ کر دیکھا۔ آپ کے دعاوی کے دلائل و براہین کو بگوش ہوش سنا اور بالآخر آپ کے اعلیٰ اخلاق و کردار اور حسن صورت و سیرت سے متاثر ہو کر ہمیشہ کے لئے آپ کے غلام ہو کر رہ گئے اور بعض

تو آپ کے حضور ہی دھونی رما کر بیٹھ گئے۔ آج ہم آپ کے سامنے چند ایسے علمی شاہدوں کے مشاہدات رکھتے ہیں جو حضرت مرزا غلام احمد صاحب علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کی پُر تاثیر نگاہوں کے اسیر ہو کر رہ گئے۔

۱۔ حضرت مولوی حکیم نور الدین صاحب رضی اللہ عنہ شاہی طبیب جموں و کشمیر کے تاثرات

حضرت حکیم صاحب اپنے زمانہ کے جلیل القدر عالم اور ماہر طبیب تھے۔ آپ جب پہلی دفعہ قادیان تشریف لائے اور حضرت مرزا صاحب علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ اس کے تاثرات کو یوں ظاہر فرماتے ہیں:-

"میں جب پہلے پہل قادیان آیا ... میں آپ کے مکان پر پہنچا۔ معلوم ہوا کہ آپ عصر کے وقت مل سکیں گے۔ چنانچہ آپ اس وقت سیڑھیوں سے اُترے تو میں نے دیکھتے ہی دل میں کہا کہ بس یہی مرزا ہے اور اس پر میں سارا ہی قربان ہو جاؤں۔ (واپسی پر) آپ دُور تک میرے ساتھ چلے گئے اور مجھے یہ بھی فرمایا کہ امید ہے کہ آپ جلد واپس آئیں گے حالانکہ میں ملازم تھا اور بیعت وغیرہ کا سلسلہ بھی نہیں تھا۔ چنانچہ پھر میں آگیا اور ایسا آیا کہ یہیں کا ہو رہا۔ مومن میں ایک فراست ہوتی ہے۔"

(الحکم ۷ فروری سنہ ۱۹۱۱ء)

۲۔ مولوی حسن علی صاحب مرحوم مسلم مشنری اور سیٹھ عبد الرحمٰن صاحب مدراسی

مولوی حسن علی صاحب سر سید کے معاصر اور مسلمانوں کے محبوب مشنری تھے اور ملک میں ان کی تقریروں اور لیکچروں کی دھوم مچی ہوئی تھی اور ان کے ہاتھ پر سینکڑوں ہندو اسلام لائے۔ اور مدراس کے جن کے لیکچر میں گورنر مدراس بھی شامل ہوئے۔ آپ ۲ر جنوری سنہ ۱۸۹۴ء کو حضرت سیٹھ عبد الرحمٰن صاحب مدراسی کے ہمراہ قادیان میں حضرت مرزا صاحب کی ملاقات اور تبادلہ خیالات کے لئے جاتے ہیں۔ چنانچہ وہ اپنے تاثرات قلمبند کرتے ہیں:-

"۲ر جنوری سنہ ۱۸۹۴ء کو قادیان پہنچا جناب مرزا غلام احمد صاحب رئیس قادیان نے حسب دستور ہم سے ملاقات فرمائی۔ میرے اور سیٹھ صاحب کے قیام گاہ کا بندوبست کیا۔ اور نہایت محبت و اخلاص سے باتیں کیں۔ اس پہلی ملاقات ہی میں نگاہ دوچار ہوتے ہی ہمارے پیارے دوست جناب عبد الرحمٰن سیٹھ تو اس امام الوقت کے ہزار جان سے عاشق ہو گئے۔ مجھ سے سیٹھ صاحب نے پوچھا کہ جناب مرزا صاحب کو کیسا پاتے ہو۔ میں کیا جواب دیتا۔ میرے تو ہوش دنگ ہو گئے تھے۔ سنہ ۱۸۸۴ء میں جب مرزا صاحب کو دیکھا تھا وہ نہ تھے۔ آواز نقشہ تو وہی تھا لیکن

کل بات ہی بدلی ہوئی تھی۔ اللہ اللہ سر سے پا تک ایک نور کے پتلے نظر آتے تھے۔ جو لوگ مخلص ہوتے ہیں اور آخیر رات میں اُٹھ کر اللہ کی جناب میں رو رو کر دعا کیا کرتے ہیں ان کے چہروں کو بھی اللہ اپنے نور سے رنگ دیتا ہے اور جن کو کچھ بھی بصیرت ہے وہ اس نور کو دیکھ لیتے ہیں۔ لیکن حضرت مرزا صاحب کو تو اللہ نے سر سے پاؤں تک محبوبیت کا لباس اپنے ہاتھوں سے پہنایا تھا ۔ ۔ ۔ ۔ حضرت کی تصانیف کو دیکھ کر مجھ کو یہ معلوم ہوا کہ جس مجدّدِ زماں کی مجھ کو تلاش تھی درحقیقت علم الٰہی میں وہ جناب مرزا غلام احمد صاحب ہی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ہی کو اس موجودہ زمانے کے فتن کے مقابلے میں غلبۂ اسلام ظاہر کرنے کے لئے پیدا کیا تھا۔" (تائید حق)

۳۔ مولانا ابو النصر آہ برادر مولانا ابو الکلام آزاد وزیر تعلیم حکومت ہند

مولانا ابو النصر آہ صاحب مرحوم مئی ۱۹۰۵ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور قادیان اور اہل قادیان کو دیکھا۔ اور واپسی پر اخبار "وکیل امرتسر" میں اپنے سفرِ قادیان کے تاثرات بایں الفاظ شائع کئے:۔

"میں نے اور کیا دیکھا! قادیان دیکھا مرزا صاحب سے ملاقات کی۔ مہمان رہا۔ مرزا صاحب کے اخلاق اور توجہ کا مجھے شکریہ ادا کرنا چاہیئے ۔ ۔ ۔ ۔ مرزا صاحب کی صورت نہایت شاندار ہے جس کا اثر نہایت قوی ہوتا ہے۔ آنکھوں میں ایک خاص طرح کی چمک اور کیفیت ہے اور باتوں میں ملائمت۔ طبیعت منکسر مگر حکومت خیز۔ مزاج ٹھنڈا مگر دلوں کو گرما دینے والا۔ بردباری شان نے انکساری کیفیت میں اعتدال کر دیا ہے۔ گفتگو ہمیشہ اس نرمی سے کرتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا متبسم ہیں۔ رنگ گورا ہے۔ بالوں کو حنا کا رنگ دیتے ہیں۔ جسم مضبوط اور محنتی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ مرزا صاحب کے مریدوں میں میں نے بڑی عقیدت دیکھی اور انہیں بہت خوش پایا۔ میری موجودگی میں بہت سے معزز مہمان آئے ہوئے تھے جن کی ارادت بڑے پایہ کی تھی اور بے حد عقیدتمند تھے۔ مرزا صاحب کی وسیع الاخلاقی کا یہ ادنیٰ نمونہ ہے کہ اثنائے قیام کی متواتر نوازشوں کے خاتمہ پر بایں الفاظ مجھے مشکور ہونے کا موقع دیا۔

"ہم آپکو اس وعدہ پر اجازت دیتے ہیں کہ آپ پھر آئیں اور کم از کم دو ہفتہ قیام کریں"

اُسوقت کا تبسم ناک چہرہ اب تک میری آنکھوں میں ہے۔ میں جس شوق کو لیکر گیا تھا ساتھ لایا اور شاید وہی شوق مجھے دوبارہ لیجائے۔ واقعی قادیان نے اس جملہ کو اچھی طرح سمجھا ہے کہ حسّن خلقك ولو مع الکفار" (بحوالہ اخبار وکیل امرتسر ۲۵ مئی ۱۹۰۵ء)

جماعت احمدیہ میں سلسلہ خلافت

از مولوی فضل الدین صاحب بشیر آباد اسٹیٹ

خلافت کے معنے کسی کی جانشینی کے ہوتے ہیں اور اسلامی اصطلاح میں ایک نبی کی وفات کے بعد جو اس کا قائم مقام یا جانشین ہو ایسے شخص کو خلیفہ کہتے ہیں۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی تحریر فرمایا ہے کہ:۔

"خلیفہ کے معنے جانشین کے ہیں جو تجدید کرے۔ نبیوں کے زمانہ کے بعد جو تاریکی پھیل جاتی ہے اس کو دُور کرنے کے واسطے جو اُن کی جگہ آتے ہیں اُنہیں خلیفہ کہتے ہیں۔"

(الحکم ۲۴ر جنوری ۱۹۰۲ء)

پھر دوسری جگہ حضور فرماتے ہیں:۔

"خلیفہ جانشین کو کہتے ہیں اور رسول کا جانشین حقیقی معنوں کے لحاظ سے وہی ہو سکتا ہے جو ظلی طور پر رسول کے کمالات اپنے اندر رکھتا ہو۔"

(شہادت القرآن ص۵۷)

ضرورتِ خلافت

یہ ایک حقیقت ہے کہ انبیاء بھی بشر ہوتے ہیں اسلئے ان کی زندگی بھی محدود ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ کے انبیاء دنیا میں صداقت و امانت تقویٰ اور راستبازی کو قائم کرنے کے لئے آتے ہیں اور ایسے وقت میں آتے ہیں جبکہ دُنیا میں بے دینی اور گمراہی کا دَور دَورہ ہوتا ہے۔ ان مقاصد کی کامیابی کے لئے انہیں تکالیف اور شدید مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بڑی قربانیوں کے بعد ایک جماعت تیار کرتے ہیں جو خدا تعالےٰ کی رضا کی متلاشی ہوتی ہے اور اس کی توحید کی پرستار ہوتی ہے۔ اب اس قدر مصائب اور قربانیوں کے بعد جب خدا تعالیٰ کا نبی فوت ہو جاتے تو اس کے بعد اس کی پیدا کردہ جماعت کو بغیر کسی نظام و پروگرام کے اگر یونہی لاوارث ہی چھوڑ دیا جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کی حکیمانہ شان کے بالکل منافی ہے۔

پس سلسلۂ خلافت کو اللہ تعالیٰ نے فیضانِ نبوت کو جاری رکھنے اور نبی کے کام کی بنیاد اور تخم ریزی کی تکمیل کے لئے قائم فرمایا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:۔

"خلیفہ درحقیقت رسول کا ظلّ ہوتا ہے۔ اور چونکہ کسی انسان کے لئے دائمی بقا نہیں لہٰذا خدا تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ رسولوں کے وجود کو جو تمام دنیا کے

وجودوں سے اشرف و اولیٰ ہیں ظلّی طور پر ہمیشہ کے لئے تاقیامت قائم رکھے۔ سو اس غرض سے خدا تعالیٰ نے خلافت کو تجویز کیا۔ تا دُنیا کبھی اور کسی زمانہ میں برکاتِ رسالت سے محروم نہ رہے۔" (شہادۃ القرآن صفحہ ۵۷)

پھر دوسری جگہ فرماتے ہیں:-

"جب کوئی رسول یا مشائخ وفات پاتے ہیں تو دنیا میں ایک زلزلہ آجاتا ہے اور وہ ایک بہت ہی خطرناک وقت ہوتا ہے۔ مگر خدا کسی خلیفہ کے ذریعہ سے اس کو مٹاتا ہے اور پھر گویا اس امر کا از سرِ نو اس خلیفہ کے ذریعہ اصلاح و استحکام ہوتا ہے۔" (الحکم ۱۴ر اپریل ۱۹۰۸ء)

قرآن مجید میں جہاں اُمّتِ محمدیہ سے خلافت کا وعدہ فرمایا گیا ہے خلافت کی ضرورت اور اہمیت ان الفاظ میں بیان فرمائی گئی ہے:-

ولیمکننّ لھم دینھم الذی ارتضیٰ لھم ولیبدلنّھم من بعد خوفھم امنًا (سورہ نور)

کہ نبی کی وفات پر جماعت میں جو خوف وہراس پیدا ہو جایا کرتا ہے اس خوف کو امن میں بدلنے کے لئے اور دین کو مضبوطی اور تمکنت بخشنے اور غالب کرنے کے لئے خلافت کو جاری فرمایا ہے۔ پھر قرآن مجید بار بار وحدتِ قومی اور اتحاد و تنظیم پر زور دیتا ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ کوئی قوم اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتی جب تک اس میں وحدت نہ ہو۔ اور وحدتِ قومی کی جان خلافت ہے۔ اس کے بغیر وحدت قائم نہیں رہ سکتی۔ اور وحدت کے بغیر ترقی ناممکن ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

"اور جو لوگ ہماری جماعت سے ابھی باہر ہیں دراصل وہ سب پراگندہ طبع اور پراگندہ خیال ہیں۔ کسی ایسے لیڈر کے ماتحت وہ لوگ نہیں ہیں جو اُن کے نزدیک واجب الاطاعت ہے۔" (رسالہ پیغام صلح صفحہ ۱۱)

اس جگہ حضور نے دوسرے مسلمانوں کو "واجب الاطاعت لیڈر" یعنی خلیفہ نہ ہونے کی وجہ سے "پراگندہ طبع" اور "پراگندہ خیال" قرار دیا ہے۔

جماعت احمدیہ میں نظامِ خلافت | حضرت مسیح موعود علیہ السلام

رسالہ "الوصیت" میں فرماتے ہیں:-

"غرض دو قسم کی قدرت ظاہر کرتا ہے۔

(۱) اوّل خود نبیوں کے ہاتھ سے اپنی قدرت کا ہاتھ دکھاتا ہے۔

(۲) دوسرے ایسے وقت میں جب نبی کی وفات کے بعد مشکلات کا سامنا پیدا ہو جاتا ہے۔ اور دشمن زور میں آجاتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ اب یہ جماعت نابود ہو جائے گی۔ اور خود جماعت کے لوگ بھی تردد میں پڑ جاتے ہیں اور ان کی کمریں ٹوٹ جاتی ہیں اور کئی بدقسمت مرتد ہونے کی راہیں اختیار کر لیتے ہیں۔ تب خدا تعالیٰ

دوسری مرتبہ اپنی زبردست قدرت ظاہر کرتا ہے اور گرتی ہوئی جماعت کو سنبھال لیتا ہے پس وہ جو اخیر تک صبر کرتا ہے خدا تعالیٰ کے اس معجزہ کو دیکھتا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق کے وقت میں ہوا۔ جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موت ایک بے وقت موت سمجھی گئی۔ اور بہت سے بادیہ نشین نادان مرتد ہو گئے اور صحابہ بھی مارے غم کے دیوانہ کی طرح ہو گئے۔ تب خدا تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق کو کھڑا کر کے دوبارہ اپنی قدرت کا نمونہ دکھایا اور اسلام کو نابود ہوتے ہوئے تھام لیا۔ اور اس وعدہ کو پورا کیا جو فرمایا تھا ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضیٰ لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امناً یعنی خوف کے بعد پھر ہم ان کے پیر جما دیں گے۔ ایسا ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں ہوا۔۔۔ ۔۔۔ اور ایسا ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ معاملہ ہوا۔۔ ۔۔۔ سو اے عزیزو! جبکہ قدیم سے سنت اللہ یہی ہے کہ خدا تعالیٰ دو قدرتیں دکھلاتا ہے۔ تا مخالفوں کی دو جھوٹی خوشیوں کو پامال کر کے دکھلا دے۔ سو اب ممکن نہیں کہ خدا تعالیٰ اپنی قدیم سنت کو ترک کر دیوے اس لئے تم میری اس بات سے جو میں نے تمہارے پاس بیان کی غمگین مت ہو۔ اور تمہارے دل پریشان نہ ہو جائیں کیونکہ تمہارے لئے دوسری قدرت کا بھی دیکھنا ضروری ہے۔"

(الوصیت صفحہ ۵ تا ۸)

اس حوالہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے وضاحت سے فرمایا ہے۔ کہ نبیوں اور رسولوں کے متعلق خدا تعالیٰ دو قدرتیں ظاہر فرماتا ہے نبی قدرتِ اولیٰ ہوتے ہیں۔ ان کے بعد دوسری قدرت یعنی خلافت کا قیام ہوتا ہے جیسا کہ آپ نے حضرت ابوبکرؓ کو بطور مثال بیان فرمایا ہے۔ اور ساتھ ہی آیت استخلاف پیش کر کے واضح کر دیا کہ اس جگہ قدرتِ ثانیہ سے مراد خلافت ہی ہے۔ پھر فرمایا میرے بعد بھی خدا تعالیٰ اسی اپنی سنت پر عمل کرے گا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وصال پر حضرت مولانا حکیم نورالدین صاحب رضی اللہ عنہ کو آپ کا جانشین اور خلیفہ منتخب کیا گیا۔ اور حسب ذیل اعلانات شائع کئے گئے:۔

۱۔ "اطلاع از جانب صدر انجمن

برادران السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت سیدی ومولائے عالی جناب مسیح موعود مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جنازہ میں پڑھا جانے سے پہلے آپ کے وصایا مندرجہ

وجودوں سے اشرف و اعلیٰ ہیں ظلّی طور پر ہمیشہ کے لئے تا قیامت قائم رکھے۔ سو اس غرض سے خدا تعالیٰ نے خلافت کو تجویز کیا۔ تا دُنیا کبھی اور کسی زمانہ میں برکاتِ رسالت سے محروم نہ رہے۔" (شہادۃ القرآن صفحہ ۵۵)

پھر دوسری جگہ فرماتے ہیں:۔

"جب کوئی رسول یا مشائخ وفات پاتے ہیں تو دنیا میں ایک زلزلہ آجاتا ہے اور وہ ایک بہت ہی خطرناک وقت ہوتا ہے۔ مگر خدا کسی خلیفہ کے ذریعہ سے اس کو مٹاتا ہے اور پھر گویا اس امر کا از سرِ نو اس خلیفہ کے ذریعہ اصلاح و استحکام ہوتا ہے۔" (الحکم ۱۴ اپریل ۱۹۰۸ء)

قرآن مجید میں جہاں امّتِ محمدیہ سے خلافت کا وعدہ فرمایا گیا ہے خلافت کی ضرورت اور اہمیت ان الفاظ میں بیان فرمائی گئی ہے:۔

ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضیٰ لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنًا (سورہ نور)

کہ نبی کی وفات پر جماعت میں جو خوف و ہراس پیدا ہو جایا کرتا ہے اس خوف کو امن میں بدلنے کے لئے اور دین کو مضبوطی اور تمکنت بخشنے اور غالب کرنے کے لئے خلافت کو جاری فرمایا ہے۔

پھر قرآن مجید بار بار وحدتِ قومی اور اتحاد و تنظیم پر زور دیتا ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ کوئی قوم اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتی جب تک اس میں وحدت نہ ہو۔ اور وحدتِ قومی کی جان خلافت ہے۔ اس کے بغیر وحدت قائم نہیں رہ سکتی۔ اور وحدت کے بغیر ترقی ناممکن ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"اور جو لوگ ہماری جماعت سے ابھی باہر ہیں دراصل وہ سب پراگندہ طبع اور پراگندہ خیال ہیں۔ کسی ایسے لیڈر کے ماتحت وہ لوگ نہیں ہیں جو اُن کے نزدیک واجب الاطاعت ہے۔" (رسالہ پیغام صلح صفحہ ۱)

اس جگہ حضورؑ نے دوسرے مسلمانوں کو "واجب الاطاعت لیڈر" یعنی خلیفہ نہ ہونے کی وجہ سے "پراگندہ طبع اور پراگندہ خیال" قرار دیا ہے۔

جماعت احمدیہ میں نظامِ خلافت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام

رسالہ "الوصیت" میں فرماتے ہیں:۔

"غرض دو قسم کی قدرت ظاہر کرتا ہے۔

(۱) اوّل خود نبیوں کے ہاتھ سے اپنی قدرت کا ہاتھ دکھاتا ہے۔

(۲) دوسرے ایسے وقت میں جب نبی کی وفات کے بعد مشکلات کا سامنا پیدا ہو جاتا ہے۔ اور دشمن زور میں آجاتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ اب یہ جماعت نابود ہو جائے گی۔ اور خود جماعت کے لوگ بھی تردد میں پڑ جاتے ہیں اور ان کی کمریں ٹوٹ جاتی ہیں اور کئی بدقسمت مرتد ہونے کی راہیں اختیار کر لیتے ہیں۔ تب خدا تعالیٰ

دوسری مرتبہ اپنی زبردست قدرت ظاہر کرتا ہے اور گرتی ہوئی جماعت کو سنبھال لیتا ہے پس وہ جو اخیر تک صبر کرتا ہے خدا تعالیٰ کے اس معجزہ کو دیکھتا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق کے وقت میں ہوا۔ جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موت ایک بے وقت موت سمجھی گئی۔ اور بہت سے بادیہ نشین نادان مرتد ہو گئے اور صحابہ بھی مارے غم کے دیوانہ کی طرح ہو گئے۔ تب خدا تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق کو کھڑا کر کے دوبارہ اپنی قدرت کا نمونہ دکھایا اور اسلام کو نابود ہوتے ہوتے تھام لیا۔ اور اس وعدہ کو پورا کیا جو فرمایا تھا ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضیٰ لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا یعنی خوف کے بعد پھر ہم ان کے پیر جما دیں گے۔ ایسا ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں ہوا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور ایسا ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ معاملہ ہوا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سو اے عزیزو! جبکہ قدیم سے سنت اللہ یہی ہے کہ خدا تعالیٰ دو قدرتیں دکھلاتا ہے۔ تا مخالفوں کی دو جھوٹی خوشیوں کو پامال کر کے دکھلا دے۔ سو اب ممکن نہیں کہ خدا تعالیٰ اپنی قدیم سنت کو ترک کر دیوے اس لئے تم میری اس بات سے جو میں نے تمہارے پاس بیان کی غمگین مت ہو اور تمہارے دل پریشان نہ ہو جائیں کیونکہ تمہارے لئے دوسری قدرت کا بھی دیکھنا ضروری ہے۔"

(الوصیت صفحہ ۵ تا ۸)

اس حوالہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے وضاحت سے فرمایا ہے۔ کہ نبیوں اور رسولوں کے متعلق خدا تعالیٰ دو قدرتیں ظاہر فرماتا ہے نبی قدرتِ اولیٰ ہوتے ہیں۔ ان کے بعد دوسری قدرت یعنی خلافت کا قیام ہوتا ہے جیسا کہ آپ نے حضرت ابوبکرؓ کو بطور مثال بیان فرمایا ہے۔ اور ساتھ ہی آیت استخلاف پیش کر کے واضح کر دیا کہ اس جگہ قدرتِ ثانیہ سے مراد خلافت ہی ہے۔ پھر فرمایا میرے بعد بھی خدا تعالیٰ اسی اپنی سنت پر عمل کرے گا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وصال پر حضرت مولینا حکیم نورالدین صاحب رضی اللہ عنہ کو آپ کا جانشین اور خلیفہ منتخب کیا گیا۔ اور حسب ذیل اعلانات شائع کئے گئے:۔

۱۔ "اطلاع از جانب صدر انجمن

برادران السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ حضرت سیدی ومولائے عالی جناب مسیح موعود مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جنازہ میں پڑھا جانے سے پہلے آپ کے وصایا مندرجہ

رسالہ الوصیّت کے مطابق حسب مشورہ معتمدین صدر انجمن احمدیہ موجودہ قادیان و اقربا حضرت مسیح موعودؑ باجازت حضرت اُم المومنین کل قوم نے جو قادیان میں موجود تھی اور جس کی تعداد اس وقت بارہ سو تھی۔ والا مناقب حضرت حاجی الحرمین الشریفین جناب حکیم نورالدین صاحب سلمہ کو آپ کا جانشین اور خلیفہ قبول کیا۔ اور آپکے ہاتھ پر بیعت کی ------ یہ خط بطور اطلاع کل سلسلہ کے ممبران کو لکھا جاتا ہے کہ وہ اس خط کے پڑھنے کے بعد فی الفور حکیم الامّت حضرت خلیفۃ المسیح والمہدی کی خدمت بابرکت میں بذات خود یا بذریعہ تحریر حاضر ہو کر بیعت کریں۔"

(اخبار بدر ۲ جون ۱۹۰۸ء ص۱)

(۲) مطابق فرمان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام مندرجہ رسالہ الوصیّت ہم احمدیان جن کے دستخط ذیل میں ثبت ہیں اس امر پر صدق دل سے متفق ہیں کہ اوّل المہاجرین حضرت حاجی مولوی حکیم نورالدین صاحب کے ہاتھ پر احمدؐ کے نام پر تمام جماعت احمدیہ موجودہ اور آئندہ نئے ممبر بیعت کریں اور حضرت مولوی صاحب موصوف کا فرمان ہمارے واسطے آئندہ ایسا ہی ہو۔ جیسا کہ حضرت اقدس مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تھا۔"

(بدر ۲ جون ۱۹۰۸ء ص۶)

پس غیر مبائعین ان اعلانات کی موجودگی میں کہاں تک حقیقت پر پردہ ڈالتے جائیں گے یہ انجمن کا متحدہ عملی فیصلہ ہے۔ جو قطعی حجت ہے۔ جس پر کم از کم چھ سال تک اکابر غیر مبائعین بھی عمل کرتے رہے ہیں۔

وی پی واپس کرنے والے احباب!

وی پی کرنے سے پہلے بذریعہ خط خریدار حضرات کو اطلاع دی جاتی ہے مگر پھر بھی بعض احباب وی پی واپس کرکے دفتر کا نقصان کرتے ہیں۔ ماہ دسمبر میں ذیل کے احباب کے وی پی واپس آگئے ہیں۔ براہ مہربانی وہ وی پی خرچ قیمت سالانہ چندہ بذریعہ منی آرڈر بھیج کر رسالہ جاری کروائیں۔ یہ رسالہ بطور اطلاع بھیجا جا رہا ہے۔ (منیجر)

۱۔ ماسٹر اللہ بخش صاحب ہاڑی کہنہ ضلع منٹگمری۔
۲۔ چوہدری حسن محمد صاحب موسے والا ضلع سیالکوٹ
۳۔ قاضی عبدالغنی صاحب ڈگری گھمناں ضلع سیالکوٹ
۴۔ عبدالرحمان صاحب ارشد راولپنڈی۔
۵۔ صوبیدار عبدالغنی صاحب سیالکوٹ۔
۶۔ مسعود احمد صاحب ٹبہ کلاں ضلع سیالکوٹ۔
۷۔ محمد مظفر صاحب بیجی آفیسر کراچی۔
۸۔ محمد انور صاحب چک جھمرہ ضلع لائلپور۔
۹۔ میاں محمد یار صاحب کبیر والہ ضلع ملتان۔
۱۰۔ مکرم ماسٹر خداداد صاحب تن ایڈ ضلع ملتان۔

قادیان سے ہجرت اور ہماری ذمہ داریاں

(از جناب ڈاکٹر محمد رمضان صاحب پنشنر دار الصدر ربوہ)

"داغ ہجرت" داغ ہجرت ہی ہے۔ اور اس درد کو وہی محسوس کرتے ہیں جو اہلِ ذوق ہیں وہ کونسا ایسا دل ہوگا۔ جو قادیان دارالامان کی یاد سے تڑپ نہ جاتا ہو۔ ہاں! وہ قادیان جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے مسیح موعود (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی جائے پیدائش اور آپ کے مدفن کے لئے چنا۔ جس کے پاکیزہ ماحول کو چھوڑتے ہوئے طبیعت ملول ہوتی تھی اور جہاں دنیا کی ہاؤ ہو سے تنگ آکر عشاقِ احمدیت اپنے لئے امن و امان کا سامان موجود پاتے تھے۔

بے شک حضرت خلیفۃ المسیح الثانی (ایدہ اللہ تعالیٰ) جو ہماری آنکھوں کے نور اور دل کے سرور ہیں ہم میں موجود ہیں۔ تاہم قادیان دارالامان کا خیال آتے ہی ہماری جو حالت ہوتی ہے وہ بیان سے باہر ہے۔ ایسے ابتلاؤں کے اسباب دو قسم کے ہو سکتے ہیں۔ (۱) خدا تعالیٰ کی طرف سے آزمائش جو آئندہ ترقیوں کا پیش خیمہ ہوتی ہے (۲) انسانوں کی کوتاہیاں جن کا ازالہ ہونا چاہیئے۔ اس صورت میں نہایت ضروری ہے کہ ہم اپنے نفسوں کا بھی محاسبہ کریں۔ اگر ہم نے ہجرت سے پہلے ہجرت کے دوران میں یا اس کے بعد کسی کا حق مارا ہے تو دیانتداری سے ہم اس کا ازالہ کریں۔ اس ضمن میں ایک دفعہ جلسہ سالانہ کے موقعہ پر حضرت امیر المومنین (ایدہ اللہ تعالیٰ) نے فرمایا تھا کہ بعض احمدی کہلانے والوں نے بھی دوسروں کی اقتداء میں اپنے حق سے زیادہ لے لیا ہے۔ بہتر ہے کہ وہ مرنے سے پہلے خدا تعالیٰ سے اپنا معاملہ صاف کر لیں۔ یہ کس قدر دل ہلا دینے والا انتباہ ہے! ہم میں سے ہر شخص کو غور سے سوچنا چاہیئے کہ کیا اس ارشاد پر عمل ہوا ہے؟

اس ہجرت اور پریشانی کے بعد بھی اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے موعود خلیفہ کے ذریعے منتشر حالت سے نکال کر ربوہ کی پاک زمین میں پھر سے جمع کر دیا ہے۔ خدائے ذوالمنن کے اس احسانِ عظیم پر ہم جس قدر بھی شکر ادا کریں کم ہے۔ اس کے بعد اگر ہم کمزوریوں کا شکار ہو جائیں تو پھر ہماری بدقسمتی ہوگی۔

خدا کے فضل سے ہی کسی چیز کا صحیح علم حاصل ہوتا ہے اس کے مضر پہلوؤں سے نجات اور اچھے پہلوؤں پر عمل کی توفیق نورِ ایمان سے ہی حاصل ہوتی ہے۔

ایک دینی جماعت کے لئے قانونِ قدرت قانونِ شریعت کا ہی حصہ ہے کیونکہ یہ ہو نہیں سکتا کہ جو جماعت صحیح معنوں میں قانونِ شریعت پر عامل ہو وہ قانونِ قدرت سے غافل ہو کیونکہ قانون

قدرت کے اصولوں کی پابندی بھی حکم خداوندی ہے۔

قانونِ شریعت متقاضی ہے حقوق اللہ اور حقوق العباد کی کامل ادائیگی کا۔ جب ایک مومن اپنے نورِ ایمان کی روشنی میں پورے طور پر بدیوں سے بچتا اور ان حقوق کو ادا کرتا ہے تو وہ دینی کامرانی سے یقیناً ہمکنار ہو جاتا ہے اور ہر حالت میں خدا تعالیٰ کے احکام کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیتا ہے۔ نیز محبتِ الٰہی اور خشیت اللہ کو اپنے دل میں جگہ دیتا ہے جس کے نتیجہ میں اباء و استکبار کی بجائے وہ تسلیم و رضاء کا مجسمہ بن جاتا ہے اس جگہ ایک نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے بعض لوگ نیکی اور بدی کی وہ تعریف کرتے ہیں جو ان کے اپنے مطلب کی ہو۔ حالانکہ اس سے زیادہ نفس کو دھوکہ دینے والی اور کوئی چیز نہیں صحیح تعریف وہی ہے جو خدا تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں کر دی ہے اس فرق کو نہ سمجھنے کی وجہ سے بعض اوقات حقوق العباد کو صحیح طور پر ادا نہیں کیا جاتا مثلاً ایک ملازم اپنی ڈیوٹی پر وقت کا پابند نہیں اور اسے محنت اور دیانت داری سے ادا نہیں کرتا۔ ڈیوٹی کے دوران اپنے ذاتی کام شروع کر دیتا ہے۔ پرائیویٹ کام کی اجازت کے یہ معنے ہیں کہ فالتو وقت میں کام کرے نہ کہ ڈیوٹی کے درمیان۔ اجتماعی طور پر جب حقوق العباد سے سرتابی کی جائے تو سوسائٹی اور قوم کا امن برباد ہو جاتا ہے۔

قانونِ قدرت کا اثر عمل ہر شخص پر حاوی ہے۔ اور کسی خاص فرد یا جماعت سے مخصوص نہیں لہٰذا ایک مومن پر اس کا اطلاق ایسا ہی ضروری ہے جیسا کہ دوسروں پر۔ ان میں سے جو بھی اس سے روگردانی کرتا ہے وہ قدرت کے مواخذہ سے بچ نہیں سکتا۔

نورِ ایمان کے بعد جہالت کے کام ترک کر دینے چاہئیں لیکن بعض لوگ ان کے ارتکاب میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ احمدیوں کے اخلاق اپنوں اور دوسروں کے ساتھ معاملہ کرنے میں اگر نہایت بلند معیار پر پورے اتریں تو مابہ الامتیاز پیدا ہو جاتا ہے۔

اسلام کی نشاۃ ثانیہ احمدیت کے ذریعے مقدر ہے لیکن اس کے واسطے اللہ تعالیٰ کے فضل کو جذب کرنے کے لئے ہمیں بھی صحابہؓ کرام والی کامل عبادت اور قربانی کی ضرورت ہے۔

یہ وہ ایمانی۔ اخلاقی اور عملی حالت ہے جو ہماری ہونی چاہئیے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنے فضل سے ایسا ہی بنا دے۔ آمین!

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے اخلاق میں کامل تھے

(بقیہ صفحہ ۲۶)

اور ایک رحمت کی بارش تھی جو ایمان کی لمبی خشک سالی کے بعد اس زمین پر پڑی۔ اور اسے شاداب کر گئی اگر حضرت عائشہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت یہ بات سچ کہی تھی کہ "کان خلقہ القرآن" تو ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نسبت اسی طرح یہ کہہ سکتے ہیں۔ کان خلقہ حسب محمد واتباعہ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

(منقول از الحکم ۲۸ رمئی ۱۹۳۹ء)

البیان

سلسلوار[1]

قرآن مجید کا سلسلسہ اردو ترجمہ مختصر اور مفید تفسیری حواشی کیساتھ

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ

حج (اس) کے مہینے سب کو معلوم ہیں[1]۔ ان مہینوں میں جو شخص اپنے اوپر حج فرض کر لے (حج کی نیت کر کے نکل پڑے)

فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ۗ وَمَا

اسے ایام حج میں ہر قسم کی شہوت انگیز گفتگو، ہر قسم کی نافرمانی، اور ہر قسم کے باہمی جھگڑے سے خاص طور پر

تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ۭ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ

اجتناب کرنا لازم ہے تم جو نیکی بجا لاؤ گے اللہ اسے خوب جانتا ہے۔ تم حج کے وقت زادِ راہ

خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ۝

ضرور لو۔ بہترین زادِ راہ تقویٰ ہے۔ اے عقل مندو! میرا تقویٰ اختیار کرو۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ

تمہارے لئے اس میں کوئی گناہ نہیں کہ (حج کے موقعہ پر) اپنے رب کے فضل (مانند تجارتی فائدہ) کے

فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ

طالب بنو۔ جب تم عرفات سے سارے مجمع کے ساتھ پلٹ کر آؤ تو المشعر الحرام کے پاس اللہ تعالیٰ کا

[1] حج کے مہینے شوال[1]۔ ذوالقعدہ[2] اور ذوالحجۃ[3] ہیں۔ امام مالکؒ کے نزدیک پورا ذوالحجہ شامل ہے امام شافعیؒ کے نزدیک صرف ابتدائی نو دن اور یوم النحر کی رات شامل ہیں اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ذوالحجہ کی دس تاریخ تک اشہر الحج ہیں (الکشاف)

[1] بعض احباب نے لکھا ہے کہ البیان کو اس طرح شائع کیا جایا کرے کہ اسے علیحدہ طور پر بصورت مجموعہ جلد کرایا جا سکے۔ اسلئے آئندہ

الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۲ وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ج

خاص ذکر کرو - اور اللہ تعالیٰ کا ذکر اس طرح کرو جسطرح اس نے تمہیں (اسلام کے ذریعہ) ہدایت

وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ○ ثُمَّ ۳ اَفِيْضُوْا

دی ہے۔ اس سے پیشتر تم یقیناً گمراہوں میں تھے - یہ بھی یاد رکھو کہ تم سب

مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ط اِنَّ

اسی جگہ (عرفات) سے لوٹا کرو جہاں سے عام لوگ لوٹتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرو۔ یقیناً

اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ

اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے - ہاں جب تم حج کے تمام ارکان ادا کر چکو تو

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ

اللہ تعالیٰ (کی صفات) کا ذکر اسی (ذوق وشوق سے) کرو جس طرح تم (زمانہ جاہلیت میں) اپنے باپ دادوں

ذِكْرًا ط فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا

کا ذکر کیا کرتے تھے بلکہ اس سے بھی بہت بڑھ چڑھ کر۔ بعض لوگ (دعا میں) یوں کہتے ہیں کہ اے ہمارے خدا! ہمیں دنیا میں

وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ○ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ

(نعمتیں) دے ایسے شخص کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہوگا - دوسرے بعض لوگ دعا میں اسطرح کہتے ہیں

۲ مزدلفہ کے آخری حصہ میں ایک پہاڑی ہے اسے قزح بھی کہتے ہیں - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس جگہ عرفات سے واپسی پر طلوع فجر تک خاص دعائیں کیا کرتے تھے۔ (جلالین)

۳ آیت ثُمَّ افیضوا من حیث افاض الناس میں ثُمَّ اسی طرح ہے جس طرح فقرہ "احسن الی الناس ثمّ لاتحسن الی غیر کریم" میں استعمال ہوتا ہے جسکے معنے صرف "علاوہ ازیں" یا "یہ بھی" کے ہیں۔

قریش کہ اپنے آپکو افضل قرار دیتے ہوئے عرفات نہیں جاتے تھے بلکہ مزدلفہ میں ہی ٹھہرے رہتے تھے - باقی حاجی عرفات تک جاتے تھے - جو مکہ شریف سے بارہ میل کے فاصلہ پر ہے - اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حج تو مساوات انسانی کا بہترین مظاہرہ ہے - اس لئے آئندہ سے یہ تفریق بھی دُور کی جائے۔

رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً

کہ اے ہمارے خدا! تو ہمیں دُنیا میں بھی اچھی حالت عطا فرما۔ اور آخرت میں بھی اچھی حالت عطا فرما۔

وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ○ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا

اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچائیو۔ ان (موخر الذکر) لوگوں کو ان کے اعمال کا بہترین حصہ (انجام)

كَسَبُوْا ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ○ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ

حاصل ہوگا۔ اللہ تعالےٰ جلد حساب کرنے والا ہے۔ گنتی کے (مقررہ)

فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ

دنوں میں اللہ تعالیٰ کو خوب یاد کرو۔ جو شخص تقویٰ شعاری سے (یہ کام) جلدی سے دو دنوں میں

فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ

انجام دے لے اس پر بھی گناہ نہیں۔ اور جو تقویٰ کے مدنظر زیادہ دیر لگائے اس پر کوئی گناہ نہیں۔

لِمَنِ اتَّقٰى ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ

بہرحال تقویٰ کو اختیار کرو۔ اور یاد رکھو کہ تم اللہ تعالےٰ کے پاس ہی اکٹھے کئے

؎ اللہ تعالےٰ کے پاس دُنیا اور آخرت کی بہت نعمتیں ہیں۔ اس سے صرف دنیاوی نعمتیں طلب کرنا اپنے نصب العین کو گرانے کے علاوہ اس کی سوال کی بھی توہین ہے۔ اس لئے جامع دعا کرنے والا ہی خدا کا پیارا بندہ ہے۔

تُحْشَرُوْنَ۠ ○ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِی

جاؤ گے ۔ بعض ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو دولی زندگی کے بارے میں تیرے سامنے خوشکن

الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَیُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰی مَا فِیْ قَلْبِهٖ ۙ

باتیں کرتے ہیں ۔ اور اپنے دلی ارادوں پر خدا کو گواہ ٹھہراتے ہیں ۔ مگر درحقیقت وہ شدید قسم

وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ○ وَاِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِی الْاَرْضِ

کے جھگڑالو ہوتے ہیں ۔ ایسے لوگ جب حاکم بنتے ہیں ۔ تو ملک میں فساد کرانے کے لئے

لِیُفْسِدَ فِیْهَا وَیُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ؕ وَاللّٰهُ

کوشاں رہتے ہیں ۔ اور ملکی پیداوار اور ملکی آبادی کو تباہ کرنا چاہتے ہیں ۔ حالانکہ اللہ تعالےٰ کسی قسم

لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ ○ وَاِذَا قِیْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ

کا فساد پسند نہیں کرتا ۔ ایسے لوگوں کو جب اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنے کیلئے کہا

الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ؕ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ○

جاتا ہے ۔ تو ان کی جھوٹی عزت انہیں اور بھی گناہ پر آمادہ کر دیتی ہے ایسے لوگوں کیلئے جہنم ہی مناسب ہے اور وہ یقیناً برا ٹھکانا ہے

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْرِیْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ

لوگوں میں ایسے (نیک) بھی ہیں جو اپنی تمام خواہشات کو رضاء الٰہی کے حصول کے لئے

---

۵ ایام معدودات سے مراد ایام التشریق ہیں جیکے لئے گیارہ [11] بارہ [12] اور تیرہ [13] ذوالحجہ مقرر ہیں ۔ ان دنوں میں حاجی رمی الجمار وغیرہ کرتے ہیں ۔ یہ کام دو دن میں بھی سرانجام دیا جاسکتا ہے اور تین دنوں میں بھی ۔ وہاں قیام کا بنیادی مقصد تقویٰ کا حصول ہونا چاہیئے ۔

۶ ان دو آیتوں میں ایسے شر پسند لوگوں کا ذکر ہے جو قسمیں کھا کر غلط یقین پیدا کرنا چاہتے ہیں ۔ اور دنیاوی سیاست کے بارے میں خوب سبز باغ دکھاتے ہیں مگر اقتدار ملنے پر امن کو برباد کرتے اور کھیتیوں اور نسلوں کو تباہ کرتے ہیں ۔ روایات میں آیا ہے کہ یہ آیات اخنس بن شریق کے بارے میں نازل ہوئی تھیں جس نے بنو ثقیف کے بچوں اور کھیتوں کو برباد کر دیا تھا ۔ وقیل نزلت فی حق کل منافق ۔ دراصل اس جگہ جملہ طالع آزماؤں کی حالت بیان کی گئی ہے ۔

اللّٰہِ ؕ وَاللّٰہُ رَءُوۡفٌۢ بِالۡعِبَادِ ۝ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا

قربان کر دیتے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے ایسے بندوں سے بہت اُلفت و محبت کرنیوالا ہے۔ اے ایمان دارو!

ادۡخُلُوۡا فِی السِّلۡمِ کَآفَّۃً ۪ وَلَا تَتَّبِعُوۡا خُطُوٰتِ

تم سب کے سب پورے طور پر اطاعت گزار بن جاؤ۔ شیطان کے نقشِ قدم پر مت چلو۔ وہ تمہارا

الشَّیۡطٰنِ ؕ اِنَّہٗ لَکُمۡ عَدُوٌّ مُّبِیۡنٌ ۝ فَاِنۡ زَلَلۡتُمۡ

کھلا (بدترین) دشمن ہے۔ اگر واضح نشانات اور

مِّنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَتۡکُمُ الۡبَیِّنٰتُ فَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ

صریح احکام کے باوجود تم لغزش اختیار کرو گے تو خوب یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ غالب اور

عَزِیۡزٌ حَکِیۡمٌ ۝ ہَلۡ یَنۡظُرُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ یَّاۡتِیَہُمُ

حکمت والا ہے۔ وہ (منکر) لوگ تو صرف اسی انتظار میں ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور ان کے

اللّٰہُ فِیۡ ظُلَلٍ مِّنَ الۡغَمَامِ وَالۡمَلٰٓئِکَۃُ وَقُضِیَ الۡاَمۡرُ ؕ

فرشتے بادلوں کے سایہ میں ان کے پاس آ جائیں اور ان کا معاملہ (جھگڑے) کا فیصلہ ہو جائے حقیقت یہ ہے کہ تمام امور

وَاِلَی اللّٰہِ تُرۡجَعُ الۡاُمُوۡرُ ۝ ؔ ۲۵ ع ۱۴ ۹

آخرکار اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں۔ اور اسی کی طرف لوٹتے ہیں

ت ادخلوا فی السلم کافۃً میں کافۃً حال ہے اس کا ذوالحال ادخلوا کا فاعل ہے۔ گویا سب کے سب مسلمانوں کو جماعتی رنگ میں اطاعت کا حکم دیا ہے ویجوز ان یکون کافۃ حالاً من السلم لانہا تؤنث کما تؤنث الحرب (الکشاف) معنے یہ ہوں گے کہ تم ادھوری نہیں پوری اور کامل اطاعت کرو۔

ث کافروں کا مطالبہ یہی ہوتا تھا کہ اگر ہم باطل پر ہیں تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سمیت آ کر ہمیں تباہ کیوں نہیں کر دیتا ان کا قول تھا او تسقط السماء کما زعمت علینا کسفا او تأتی باللہ والملائکۃ قبیلاً (الاسراء ۹۲) اللہ تعالیٰ نے انہیں توجہ دلائی ہے کہ تم اللہ کی رحمت کے طلب گار کیوں نہیں بنتے؟

گویا یہ قطعاً نہیں ہو سکتا کہ باپ کا گناہ بیٹے کے سر تھوپ دیا جائے گا۔ اور اسکی سزا وہ بھگتتا پھرے اگر آدم حوّا نے گناہ کیا تھا تو خود بائیبل کی تعلیم کی رو سے اس کا اثر صرف انہی تک محدود رہنا چاہیئے تھا۔ کچے انگور آدم و حوّا نے کھائے تو ظاہر ہے کہ ان کے بیٹوں کے دانت کیوں کھٹے ہوں۔ اس اعتبار سے عیسائیوں کا یہ مفروضہ بھی بائیبل کی تعلیم بلکہ عقل کے بھی بالکل خلاف ٹھہرتا ہے۔ کہ چونکہ آدم نے گناہ کیا تھا اس لئے تمام بنی آدم گناہ گار ہیں۔

دوسرا غلط مفروضہ

اس فرضی امر کے پیش کرنے کے بعد کہ تمام بنی آدم گناہ گار ہیں مصنّف نے کفّارہ کو ثابت کرنے کے لئے دوسرا قدم یوں اٹھایا ہے اور یہ قدم بھی پہلے کی طرح بالکل غلط ہے کہ :-

"نیک اعمال کے وسیلہ سے نجات حاصل کرنے کی امید باطل ہے"

گویا اگر انسان گناہ گار ہے بھی تو ممکن تھا کہ وہ نیک اعمال کر کے اپنے خدا کو راضی کر لیتا۔ اور نجات پا جاتا لیکن چونکہ عیسائی پادریوں کو کفّارہ ثابت کئے بغیر دلی سکون میسّر نہیں آسکتا اور وہ ہر قیمت پر اس کا اثبات ضروری خیال کرتے ہیں اسلئے اب انہوں نے یہ فرض کر لیا کہ نیک اعمال کے وسیلہ سے نجات مل ہی نہیں سکتی اسلئے کہ جب یہ واضح ہو جائیگا کہ نیک اعمال سے نجات نہیں ہو سکتی تو ظاہر ہے کہ نجات کے طالبین کو کسی اور ذریعہ نجات کی تلاش ہو گی اور یوں لامحالہ وہ کفّارہ کی گندگی کے ڈھیر پر آ کر منہ ماریں گے لیکن افسوس کہ عیسائی پادریوں کا یہ مفروضہ بھی بالکل غلط اور بائیبل کی پیش کردہ تعلیم کے سراسر خلاف ہے بائیبل اس کے برعکس اس امر کو بڑی وضاحت کے ساتھ تسلیم کرتی ہے کہ نیک کام کرنے والے انسان کو حیاتِ ابدی (نجات) ملتی ہے اور بُرے کام کرنے والے کو موت۔ اسی طرح اگر کوئی شخص بُرے کام کرتا ہو اور پھر وہ نیک اعمال کرے اور توبہ و استغفار سے اپنے خدا کو راضی کر لے تو خداوند کو اس سے شادمانی ہوتی ہے اور وہ اسے نیکوں اور مقربوں میں شمار کرتا ہے۔ اسکے برعکس جو شخص پہلے نیک ہو اور پھر بدیوں پر اتر آئے تو اسکے نیک اعمال بھی ضائع ہو جاتے ہیں اور ایسے لوگ نجات سے محروم ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ حزقیل نبی نے بڑی تفصیل کے ساتھ عمل و جزا کے اس مسئلہ کو اپنی کتاب میں پیش کیا ہے ہم ذیل میں اس حوالہ کو اسکی طوالت کے باوجود بعینہٖ پیش کر رہے ہیں اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ عیسائی پادری اس مسئلہ پر بھی لوگوں کو کسقدر دھوکہ دے رہے ہیں! اور کس طرح بائیبل کی تعلیم کی خلاف ورزی کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ حزقیل نبی لکھتا ہے :-

"اور خداوند کا کلام مجھے پہنچا اور اسنے کہا کہ تم اسرائیل کے ملک کے حق میں کیوں یہ کہاوت کہتے ہو کہ باپ دادوں نے کھٹے انگور کھائے اور بیٹوں کے دانت کند ہو گئے خداوند یہوواہ کہتا ہے کہ مجھے اپنی حیات کی قسم کہ تم پھر اسرائیل میں یہ مثل نہ کہو گے دیکھ ساری جانیں میری ہیں دیکھ جسطرح باپ کی جان اُسی طرح بیٹے کی جان دونوں میری ہیں۔ وہ جان جو گناہ کرتی ہے سو ہی مریگی۔ وہ انسان جو صادق ہے اور اُسکے کام عدالت اور انصاف کے مطابق ہوں جس نے پہاڑوں پر چڑھ کے نہیں کھایا اور اہل اسرائیل کے بتوں پر اپنی آنکھیں اٹھا کر نگاہ نہیں کی اور اپنے ہمسائے کی جورو کو ناپاک نہیں کیا اور حائض رنڈی پاس نہیں گیا اور کسی پر ستم نہیں کیا اور قرضدار کا گرو پھیر دیا اور ظلم سے کچھ چھین نہیں لیا

لیا ہے بھوکوں کو اپنی روٹی کھلائی ہے اور ننگے کو کپڑا پہنایا ہے، سُود پر نہیں دیا لیا اور بدی سے اپنا ہاتھ کھینچا ہے اور آدمی آدمی کے درمیان سچا انصاف کیا ہے میری راہوں پر چلا اور میرے حکموں کو حفظ کیا کہ سچائی پر عمل کرے وہ صادق ہے۔ خداوند یہوواہ کہتا ہے وہ بے شبہ جئے گا۔ پر اگر اُس سے ایک بیٹا پیدا ہو جو راہ مارے یا خونریزی کرے اور ان گناہوں میں سے کوئی ایک گناہ کرے اور ان سارے نیک کاموں کو نہ کرے بلکہ پہاڑوں پر چڑھ کے کھائے اور اپنے پڑوسی کی جورو کو ناپاک کرے غریب اور محتاج پر ستم کرے ظلم کرکے چھین لے گرو پھیر نہ دے اور بتوں پر اپنی آنکھیں اٹھا کے نظر کرے اور گھنونے کام کرے سُود پر دے اور سُود کھائے تو کیا وہ جئے گا؟ وہ نہ جئے گا۔ اس نے یہ سارے نفرتی کام کئے وہ یقیناً مر جائے گا۔ اُس کا لہو اس پر ہوگا۔ پھر اگر اس سے ایک بیٹا پیدا ہو جو ان سارے گناہوں کو جو اُس کا باپ کرتا ہے دیکھے اور خوف کھا کے اس کے سے کام نہ کرے .... اور میری راہوں پہ چلے وہ اپنے باپ کے گناہوں کے لئے نہ مرے گا وہ یقیناً جیتا رہے گا .... وہ جان جو گناہ کرتی ہے سوہی مرے گی۔ بیٹا باپ کی بدکاری کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور نہ باپ بیٹے کی بدکاری کا بوجھ اٹھائیگا

صادق کی صداقت اسی پہ ہوگی اور شریر کی شرارت اُس پہ پڑے گی لیکن اگر شریر اپنی ساری خطاؤں سے جو اس نے کی ہیں باز آئے اور میرے سارے حکموں کو حفظ کرے اور جو کچھ شرع میں درست اور روا ہے کرے تو وہ یقیناً جئے گا۔ وہ نہ مرے گا۔ اسکے سارے گناہ جو اُس نے کئے محسوب نہ ہوں گے۔ اپنی راستبازی میں جو اُس نے کی وہ جئے گا۔ خداوند یہوواہ کہتا ہے کہ کیا مجھے اس سے کچھ شادمانی ہے کہ شریر مر جائے گا اور اس سے نہیں کہ وہ اپنی راہوں سے باز آئے اور جئے پھر اگر صادق اپنی صداقت سے باز آئے اور گناہ کرے تو کیا وہ جئے گا۔ اس کی ساری صداقت جو اس نے کی یاد نہ ہوگی وہ اپنے گناہوں میں جو اس نے کئے اور اس کی خطاؤں میں جو اس نے کیں ان ہی میں مرے گا۔"

(حزقی ایل باب ۱۸ آیت ۱-۲۴)

پھر اس سے بھی بڑھ کر حزقیل نبی اسرائیل کو توبہ و استغفار اور دعاؤں کی تلقین اور نصیحت کرتا ہے تاکہ گناہوں سے بچ کر اسرائیل ہلاکت سے محفوظ رہیں کہیں اس نے یہ ذکر نہیں کیا کہ گناہوں سے بچنے کے لئے مسیح کے کفارہ پر بھی ایمان لانا۔ اگر انسانوں کی نجات کا یہی واحد ذریعہ تھا اور ازل سے لیا مقدر تھا تو حزقیل نبی کا فرض تھا کہ وہ اپنے کلام میں توبہ اور استغفار اور دعاؤں کے جھنجھٹ کو چھوڑ کر صرف کفارہ کا ذکر کر دیتے اور بس لیکن انہوں نے